تحقیق

نماز و صلوٰۃ

(مسلم تہذیب کا المیۂ عظیم)

وحی ربّانی سے راست اکتساب

اور تاریخی حقائق کے تجزیہ پر مبنی

ایک بے لاگ تبصرہ



اورنگزیب یوسف زئی

فہرست عنوانات

ابتدائیہ

روزِ محشر کہ جاں گداز بود   اولین پرسش نماز بود

وہ حقائق ابدی جن پر مسلماں کی زندگی کی اساس قائم تھی، ایک قلیل عرصے میں ہی کتابِ عظیم کی دفتین میں بند کر، غلافوں میں لپیٹ، طاق نسیاں کی زینت بنا دیئے گئے۔ پھر عہدِ کہن کے فسانہ و افسوں کے پراسرار دھندلکوں میں لپٹے جس مقدس منتر کے ذریعے امتِ مسلمہ پر طلسمِ افلاطوں پھونک دیا گیا، وہ مقدس منتر یہی لفظ ''نماز'' ہے۔ جسے روزِ محشر کی اولین پرسش قرار دے دیا جائے پھر اس کی ہیبت سے مسلماں لرزاں و ترساں کیوں نہ رہے؟ اور اس پرسش سے عہدہ برآ ہونے کیلئے انسانی فلاح و بہبود یا اعمالِ صالحہ جیسے بنیادی فرائض فراموش کرتے ہوئے، صرف ادائیگی نماز پنجگانہ ہی اس کا واحد نصب العین کیوں نہ بن کر رہ جائے؟ اس پر مستزاد جس عملِ پرستش کے تسلسل و تواتر کو لگ بھگ ایک عدد ڈیڑھ ہزاریہ گذر چکا ہو، اور پیشانیوں پر مقدس محرابیں سجائے لائقِ صد احترام بزرگوں کا ایک سیلِ بے پناہ نسل در نسل گذرتا جاتا ہو، اس عمل کا درجۂ استناد؟ اللہ اللہ! ایسا ڈیڑھ ہزار برس کہ جس کے روز و شب کا ہر ہر لمحہ صاحبانِ جبّہ و دستار نے اقتدار پر فائز اشرافیہ کی وظیفہ خواری کرتے، نماز کو روحِ عبدیت اور اصلِ دین ثابت کرنے کی ایسی تگ و دو کی ہو، ایسا شور و غوغا مچایا ہو کہ الاماں۔ بے نماز کو جہنم کے اسفل طبق کا سزاوار اور خلائق کی صفت و نوع ہی سے خارج کر دیا ہو خواہ وہ بے چارہ اپنی خون پسینے کی کمائی کا معتدبہ حصہ بھوکوں کو خوراک کی بہم رسانی پر کیوں نہ قربان کر رہا ہو۔ اسکے برعکس نمازی کیلئے تمام تر بدمعاشی، سفاکی، بددیانتی، ظلم و استحصال کے علی الرغم فوری بخشش کی بشارت ہو اور دو جہاں کی سرفرازیوں اور کامرانیوں کے آساں حصول کی نوید ہو۔ نماز عبادتوں کی معراج کہلائے اور نمازی کو اس قدرِ اعلیٰ و ارفع مقام عطا کرے کہ اس کا ذہن غرور و نخوت سے لبریز احساسِ برتری سے معمور ہو جائے اور پھر یہ سحر گزیدہ ہر کس و ناکس کی تحقیر پر اتر آئے۔ زبانِ طعن دراز کرے۔ فتویٰ گری اور خصوصاً تکفیر کو

شعار بنالے۔ خواہ بذاتِ خویش ''یمنعون الماعون'' (یعنی رزق کے سرچشموں کو انسانوں تک پہنچنے سے روک لینے والے ظالم سرمایہ دار) کی صحیح تصویر بنا پھرتا ہو۔ اور ان ''مصلّین'' (یعنی ان نمازیوں) کی صف میں کھڑا نظر آتا ہو جن پر ''ویل'' (یعنی تباہی ہو) کی الٰہی تعزیر لاگو ہوتی ہو۔

لیکن ذرا ٹھہریئے! لفظ ''مصلّین'' کا یہاں استعمال گھمبیر غلط فہمیوں کا موجب بن سکتا ہے۔ کیونکہ نمازیوں کو مصلّین سے وہی نسبت ہے جو نماز کو صلوٰۃ سے۔ جو کورِ مادرزاد کو نورِ آفتاب سے یا مدرسہ وملّا کو اسرار کتاب سے۔ یعنی قطعاً بھی کوئی نسبت یا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ تو پھر آیئے نماز اور صلوٰۃ کا آمیزہ بنانے سے احتراز کرتے ہوئے ان دونوں اصطلاحات کو جن میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے علیحدہ علیحدہ ہی رکھتے ہیں اور پہلے نماز کے ضمن میں تھوڑی سی تحقیق، چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق، کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

یہاں جسارت کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کہ یہ احقر اس حقیقت کا پورا ادراک و احساس رکھتا ہے کہ ایسے مذہبی عقائد جو خود ساختہ ہونے کے علی الرغم مسلم معاشرے میں اپنی جڑیں منبوط کر چکے ہوں اور مسلمہ حیثیت کے حامل ہوں، انکے خلاف لب کشائی یا تحریراً اظہار اختلاف کرنا بڑی جرأت و حوصلے کا تقاضا کرتا ہے۔ خصوصاً آج کے پرتشدد دور میں جب مذہبی پیشوائیت ایک مسلح فوج کی شکل اختیار کر چکی ہے اور بات ہی گولی کی زبان سے کی جاتی ہے۔ اور خصوصاً جب کہ مذہبی پیشوائیت کی بنیادیں ہی ہمارے موضوعِ زیر بحث پر قائم ہیں۔ اندیشہ ہے کہ یہ تحریر اقبالؒ کی زبان میں بیان کردہ یہ سچویشن نہ پیدا کر دے کہ:

مے خانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل — بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

لیکن اقبال کا یہ پیغام بھی تو ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا :-

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں — مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

اور اقبال ہی کی بیان کردہ یہ حقیقت بھی عیاں ہے :-

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں — ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں — بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

تو قارئین ہم معاملے کی نزاکت کو ہمارے مالکِ کون ومکان پر چھوڑتے ہوئے مشرق کی طویل اندھیری رات میں خدا کے نازل کردہ نور کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے موضوع پر قدم آگے بڑھاتے ہیں۔

البتہ قبل اس کے کہ تحقیقِ نماز وصلوٰۃ کے اصل عنوان پر قلم اٹھایا جائے، اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ایک عمیق نظر اپنے چاکِ گریباں وداماں پر یعنی امتِ مسلمہ کی صورتِ احوال پر ڈال لی جائے تاکہ مطلوبہ تحقیق کو اپنا مکمل تاریخی ومعاشرتی پس منظر اور ضروری سیاق وسباق میسر آجائے۔ مقصد پیشِ نظر اس کاوش سے یہ ہے کہ اس حساس ترین موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے، تحریر سے قدم بقدم جواب طلب امور نہ پیدا ہوتے چلے جائیں۔ تحریر خود تصریحی اور خود مکتفی ہو جائے۔ یہاں تک کہ اذہان میں اٹھنے والے تمام نکات واضح کرتے ہوئے اطمینانِ فکر ونظر بخشتی جائے۔ کم از کم اس قدر جامع ضرور ہو جائے کہ قرآنی طالبعلموں کے علاوہ ایک عام قاری بھی تشنگی میں مبتلا نہ رہنے پائے۔ ایک حقیر سی کوشش ہے۔ گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

امتِ مسلمہ کی صورت احوال

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو — نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو — بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو

قارئین محترم پس منظر اس انتہائی متنازعہ اور کلیدی اہمیت کے حامل موضوع کا یہی ہے کہ آج دنیائے اسلام اپنے خالق کی حکم عدولیوں کی پاداش میں اس کے قہر کا شکار ہے۔ اسلامی ممالک میں انکے شہروں، قصبوں اور گلی کوچوں میں ہر آن و ہر ساعت وہ تمام قہر برپا ہیں جن کا ذکر و انذار (Warnings) اس مالکِ کائنات نے اپنی کتابِ حکیم میں جا بجا فرمایا۔ مثلاً

1۔ ''عذاب عظیم'': یعنی قوم کے بنیادی ڈھانچے میں آیا ہوا ایسا زوال جو بازآفرینی کا کوئی امکان بھی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ ایسی صورت حال سمجھ لیں جہاں ڈاکوؤں لٹیروں اور ہر قسم کی اقدار و اخلاقیات سے عاری قاتلوں کے گروہ مہلک ہتھیار لئے ہر طرف پھرتے ہوں اور چھوٹا بڑا کوئی بھی محفوظ نہ ہو۔ لاقانونیت سے معاشرے کا بنیادی تانا بانا ہی تباہ ہو چکا ہو۔

2۔ ''عذاب الیم'': یعنی ہمہ وقت ایک ذہنی کرب و اذیت کا باعث بننے والی معاشرتی و سیاسی صورت حال۔ عزتیں، حرمتیں اور غیرتیں لٹ جانے والی قیامت۔

3۔ ''عذاب مہین'': وَہن بمعنی تذلیل و توہین ہے۔ مراد وہ حالات ہیں جن میں عوام ہمہ وقت طاقتور اداروں اہل کاروں یا اشخاص کے ہاتھوں تذلیل و تحقیر کا نشانہ بنتے ہوں اور صاحبانِ اقتدار یہی تذلیل و تحقیر بڑی عالمی طاقتوں کے ہاتھوں برداشت کرنے پر مجبور ہوں۔

4۔ ''عذاب النار'': یعنی ہمہ وقت محرومیوں، ذلتوں اور پچھتاووں کی آگ میں جلتے رہنے کا عذاب۔

5۔ ''لباس الجوع والخوف'': یعنی بھوک مرجانے کا اندیشہ اور دوسروں کے ہاتھوں زیادتیوں، لوٹ کھسوٹ، جان و مال و عزت لٹ جانے کا خوف ہر وقت سوار رہے۔

6۔ ''معیشۃ ضنکا'': بحیثیت مجموعی قوم کی معیشت سکڑ جانے یعنی غربت، قحط اور احتیاج کا عذاب۔

7۔ ''استبدالِ قومِ غیر'': یعنی سیادت و قیادت اپنی قوم کے ہاتھوں سے نکل کر غیر قوم کی غلامی کا عذاب مسلط ہو جانا۔

اگر چہ ایک سطحی نظر ڈالنے پر زندگی معمول کے مطابق رواں دواں نظر آئے گی لیکن ہر صاحبِ فکر و نظر یہ حقیقت اچھی طرح سمجھتا ہے اور تمام جائزوں اور تحقیقات سے یہی ثابت ہوگا کہ یہ تمام عذاب (یا خدائی وعیدیں) ایک یا دوسری شکل میں یا اجتماعی طور پر مسلمانانِ عالم کو اپنی خونی گرفت میں لئے ان کی خرمنِ ہستی کو اجاڑنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ بھارت و کشمیر، پاکستان و افغانستان، عراق و فلسطین، لبنان و ایران ہر جگہ مسلمان مظلومیت کی تصویر بنے عالمی سامراج کی جارحیت کے شکار ہیں۔ جاں بلب اور دم بخود ہیں۔ یعنی جن عذابوں کی تنذیر (Warnings) آخرت کی زندگی کے بارے میں ہمیں باور کرائی جاتی تھی۔ دوزخ کے وہ عذاب آج اسی زندگی میں ہی ہمارا اور ہماری آئندہ نسلوں کا مقدر بن چکے ہیں۔

مزید برآں یقیناً یہی دوزخ آخرت میں بھی ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی تو یہی ہے کہ ''ومن کان فی ھذہ الاعمیٰ وھو فی الآخرۃِ اعمیٰ'' (ترجمہ: جو اس زندگی میں اندھا یعنی وحی الٰہی کے نور سے محروم ہے تو آخرت میں بھی اندھیرے ہی اس کا مقدر ہیں)۔ ہماری مذہبی پیشوائیت تو یہاں بھی ہمیں اس کے برعکس نقشہ ہی دکھاتی ہے کہ یہاں کا فقر و فاقہ، محرومی و غلامی انسان کو آخرت میں جنت کی مستحق بنا دیتی ہے۔ لیکن وہ مُلا ہی کیا جو قرآنی حقائق کی نفی نہ کرے۔ ان مذکورہ عذابوں کے بے رحم تسلط نے مسلمانوں کو جس فطری و منطقی نتیجہ تک پہنچا دیا ہے وہ کچھ اس طرح کی صورت حال ہے اور سب پر عیاں ہے: اقتدار سے محرومی، فکر و شعور سے محرومی، سائنس و ٹیکنالوجی سے محرومی، ادب و فنونِ لطیفہ کا مکمل زوال، وحدت و اجتماعیت کا مکمل فقدان، عزتِ نفس و غیرت کی موت، انتہا درجے کی بے حسی، عدل و انصاف کو ترستی نسلیں، فرسودہ اور جامد عقائد و اعمال، قحط الرجال، غرضیکہ مکمل ہبوطِ آدمیت۔ اسی لئے قارئین آج اسلامی دنیا مسیحی / یہودی سامراج کے مکمل ظالمانہ سیاسی و معاشی شکنجے میں جکڑی جا چکی ہے۔ بقول حکیم الامت:-

لئے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل　　　خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو　　　مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

اس شکنجے کی تفصیلات بڑی طول طویل حکایات کی حامل ہیں۔ مختصراً یوں سمجھ لیں کہ روشِ غصب وسلب و نہب، ترک قرآن اور دو نمبر کے مصنوعی دین کی ترویج و پیروی کی پاداش میں آج ہمارے حکمرانِ وقت اس عالمی سامراج کے اشاروں پر چلنے والے غلام بن چکے ہیں اور ہمارے عوام ان غلاموں کے غلام ہیں۔ غرضیکہ صرف غلامی نہیں مسلماں پر اب غلامی در غلامی کا کرب ناک دور آیا ہے۔ ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:-

''حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کردیا ہے بلکہ ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ہوگئی ہے۔ ان کی فکری حالت غیر اسلامی ہے، ان کی عملی رفتار غیر اسلامی ہے، ان کا دینی زاویہ نگاہ غیر اسلامی ہوگیا ہے۔ وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیر اسلامی طریقے سے یہ دینی تنزل کی انتہا ہے۔ فما لھٰؤلآءِ القوم لا یکادون یفقھون حدیثاً''۔

مولانا ابوالکلام آزاد (ترجمان القرآن جلد 2 ص 135)

اس قیامت موجود کا تاریخی پسِ منظر

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ و میر و پیر　　ترے جہاں میں ہے وہی گردش صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست　　بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی

انسان کی غلامی کا دور تو 1400 سال قبل ہی اس وقت از سرِ نو شروع ہو گیا تھا جب خلافتِ راشدہ ایک انگڑائی لیکر دفعتاً بنو امیہ (اشرافِ قریش) کی موروثی بادشاہت میں تبدیل ہو گئی اور ملتِ اسلامیہ کے قدسیوں کا نافذ کردہ سنہری دور جبر و استبداد کے سانچے میں ڈھل گیا۔ عوام کی حکومت ختم اور خواص کی مطلق العنانیت کا دور دوبارہ شروع ہوا۔ تغلب کی انسانی جبلت غالب آئی اور طاقتوروں نے پھر انسانیت کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا۔ رعایا بادشاہوں کی از سرِ نو غلام ہو گئی۔ علماء و فقہا بادشاہوں کے آلہ کار اور تنخواہ دار بن گئے اور عہدے اور وظیفے پانے لگے۔ اصحابِ اثر و مرتبہ درباروں کے حلقہ بگوش ہو کر اقتدار میں شامل ہو گئے۔ مالدار تجار رشوت یا تحائف کی نذریں گذارتے اور مراعاتیں پاتے رہے۔ مردانِ حق زبان کھولنے کی پاداش میں اپنے اہل خانہ سمیت تہ تیغ کر دیئے گئے یا گمنام ہو کر ان لاتعداد غریب مزدوروں، کسانوں، دستکاروں اور خدمت گذاروں کی صفوں میں شامل ہو گئے جنکا کوئی پرسانِ حال نہ تھا اور اصحابِ ثروت و قوت کی خوشنودی پر جنکی روزی کا دار و مدار تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں وہ بھی تھے جو جنگوں کے آلام کے باعث غلامی میں پکڑ لئے گئے اور اب اسلامی دارالحکومتوں میں مال تجارت کی طرح خرید و فروخت کیئے جاتے تھے۔ ان میں سے مرد محافظت، خدمت گاری اور بیگار کی مشقت کرتے اور عورتیں محل سراؤں میں داشتاؤں کی جگہ پاتی تھیں۔ غلامی اور آمریت کا ایک طویل سیاہ دور غلامی ختم کرنے کے دعوے داروں کے زیرِ کنٹرول دوام حاصل کرتا رہا۔ اموی، عباسی، فاطمی، سلجوقی، ممالیک اور عثمانی ترک بشمول سلاطینِ ایران و ہند سب مطلق العنان بادشاہتیں تھیں۔ نمازیں پڑھتے اور تلوار کے بل پر حکومتیں چلاتے رہے اور انسانوں کی آزادیاں کچلتے رہے تا آنکہ دنیا دورِ جدید میں داخل ہوئی اور نئی مغربی سامراجیت منصہ شہود پر نمودار ہوئی۔ پھر ایسے بین الاقوامی ادارے وجود میں

آ گئے جنہوں نے متفقہ قراردادوں کے ذریعے دنیا سے غلامی ختم کرنے کا اعلان کیا اور آمریت کے خلاف فکر کو فروغ دیا۔ یہ غلامی جو بلادِ اسلامیہ میں (معاذ اللہ) سب سے آخر تک قائم و دائم تھی بالآخر بیسویں صدی کے اوائل میں سلطان آل سعود کے ہاتھوں، بین الاقوامی رائے عامہ کے دباؤ پر مجبوراً ختم کی گئی۔ یہ اور بات ہے کہ بلادِ اسلامیہ میں آمریت اور اسکے تحت ظلم، جبر و استحصال جاری رہا اور حالیہ برسوں میں سلطان کے جانشینوں نے تیل کی دولت کے بل پر تاشیرات عمل (Work Visas) کے حیلے سے غیر ملکوں سے غربا کو نوکریوں پر بلا کر پھر اسی غلامی کا دوسرا روپ ایجاد کر لیا اور انسانوں کی مجبوریوں کو کیش کرانا شروع کر دیا۔ اس کا کیا کریں کہ انسان کو غلام بنانا ازمنہ قدیم سے ہی اہلِ عرب کی گھٹی میں پڑا چلا آتا ہے۔ تعدد ازدواج کی ان میں سرایت کی ہوئی بیماری بھی اسی خوئے بد کا ایک بین ثبوت ہے جس کے ذریعے عورت ذات کو زر خرید غلام بنا کر گھروں میں قید رکھا جاتا ہے۔ کچھ صدیاں ضرور ان کی بھی قرونِ حالیہ میں بھوک و افلاس میں ایسی گذریں کہ صرف حجاج ہی ان کیلئے سبب حصول زیست رہ گئے تھے۔ کچھ نہ کچھ خیرات و صدقات ترک حاکموں کے وسیلے سے کافی عرصے ملتے رہے۔ 1740ء کے زمانے کے لگ بھگ فرنگی نو آبادیاتی استعمار کے آلہ کار بن کر دین و ملت فروشی سے رزق حاصل کرتے رہے۔ محمد بن سعود موجودہ حکمران خاندان کا مؤسس اعلیٰ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب موجودہ وہابی ازم کا بانی اور ان دونوں شخصیات کی آل اولاد بقائے باہمی اور انگریز دوستی کی ایک طویل تاریخ رکھتے ہیں جس کے بیان کی یہاں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ البتہ نوبتِ زوال کہاں تک پہنچ چکی تھی یہ جاننے کیلئے ایک اقتباس دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھ لیں۔

''سوئزرلینڈ کے مسلمان جوھن لڈوگ برکھارٹ 1814ء میں برطانوی مسلم سر رچرڈ برٹن 1853ء میں اور جرمن غیر مسلم ھنریک مالٹزن نے 1860ء میں اپنے دورے اور حجازِ مقدس میں قیام کی روداد قلمبند کی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ان تینوں زائرین نے لکھا ہے کہ اس دور میں مکۃ المکرمۃ اور مدینۃ المنورہ توہم پرستی، لاقانونیت، جرائم، عدم تحفظ، گندگی اور اخلاقی گراوٹ میں حد سے گذرے ہوئے تھے۔ شرک کی ہر قسم عام تھی اور لوگ مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر مے کشی کیا کرتے تھے۔ عبادت برائے نام ہوتی تھی حرمین کے سامنے اور اندر بھی طوائفیں دندناتی پھرتی تھیں اور قحبہ گری سرعام

ہوتی تھی۔ حاجیوں کی تعداد ہر سال گھٹ جاتی تھی۔ عیاشی، قمار بازی، بے حیائی ہر سال بڑھ جاتی تھی۔ 1814ء میں صرف 70 ہزار لوگوں نے حج کیا تھا اور 1860ء میں یہ تعداد اور گھٹ کر 30 ہزار رہ گئی تھی"۔ (نئی صدی نیا الف از ڈاکٹر شبیر احمد۔ فلوریڈا)

یاد رہے کہ یہ وہ دور تھا جب نجد میں انگریز کی سرپرستی میں مذہبی محاذ پر آلِ الشیخ اور سیاسی محاذ پر آلِ سعود مستحکم ہو چکے تھے اور حجاز آلِ بنو ہاشم کے اشرافِ مکہ کے زیرِ اقتدار تھا۔ خلافتِ عثمانیہ کمزور ہونے کے بعد بکھرنے اور ٹوٹنے کے مراحل سے گذر رہی تھی۔ بعد ازاں نجدیوں نے حجاز پر بھی بزورِ طاقت قبضہ کر لیا اور سلطنتِ سعودی عربیہ کی تاسیس کی۔ پھر وقت کا سیلِ رواں بتدریج وہاں آ پہنچا جہاں کہ اسی فرنگی استعمار نے سائنسی ترقی کی بدولت ان کی سرزمین میں تیل جیسی قیمتی معدن دریافت کر لی اور یہ از سرِ نو اونچی ہواؤں میں اڑنے لگے۔ لیکن فرنگی کی بدولت حاصل کردہ دولت ان کے اشرافیہ کو متمول بنانے کے ساتھ خوئے غلامی کا سبق بھی پڑھا گئی۔ حمیت دینی اور حریت فکر تو صدیوں کی اندھی تقلید اور آمریت کا خوگر ہونے کے سبب مدتِ دراز سے رخصت پر تھی۔ تن آسانی اور عیش و آرام کی زندگی ایکبار پھر نصیب ہوئی تو زمانہ ماقبل کی مانند، نصب العین قرار پائی۔ انگریز کے نوآبادیاتی زوال کے بعد آج ان کا قبلہ و کعبہ امریکہ بہادر ہے۔ یہ اس کے اشاروں کے غلام اور ان کی عوام (اور امپورٹڈ مزدور) ان کے غلام، سرتابی کی مجال نہیں، زبان کھولنے کی سزا، ربع الخالی کا بے رحم صحرا، وہی چودہ سو سالہ عرب جبر و استبداد کا تسلسل، اسی طرز پر باقی بلادِ اسلامیہ بھی مرکزیت سے محروم اپنی اپنی غلامی کا طوق گردنوں میں ڈالے عذاب کاٹ رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حسب سابق ان کے حکمران طبقات اور انکے حواری اور طفیلی ضمیر اور وطن فروشی کے ذریعے دنیاوی جاہ و حشم اور مال و دولت کی فراوانی میں کھیل رہے ہیں جبکہ 90 فیصد رہ جو عوام کے زمرے میں آتے ہیں مہرۂ بے بس کی حیثیت رکھتے ہیں اور غلامی، احتیاج، افلاس و جہالت کا شکار ہیں۔ یہی 90 فیصد غالب اکثریت مسلمانانِ عالم کی ایسی ہے کہ صدیوں کی جبری برین واشنگ کے زیرِ اثر اپنے دین کے ابدی حقائق سے لاعلم ہے اور آمرانہ حکومتوں کے نافذ کردہ نماز و تسبیح، ذکر و اذکار اور نذر و نیاز کے ذریعے اپنے مالک و آقا کو اور اس کے "مقربین بارگاہ" کو پکارتی اور ان سے اس قیامت موجود سے نجات کی التجائیں کرتی ہے اور صدی بعد صدی اس

کی حالتِ زار میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ ترقی کے دروازے بند، حصول سرمایہ کے ذرائع بند، حصول تعلیم انتہائی مہنگا اور جان بوجھ کر لگائی گئی ان گنت قدغنوں سے بھرپور، ملازمتیں اور ادارے اجارہ داریوں اور موروثیت کے پھندوں میں گرفتار، ذخیرہ اندوزیوں اور بلیک مارکٹنگ کے ہتھکنڈوں کے ذریعے اشیاءِ خورد ونوش دسترس سے باہر، بجلی، پانی، گیس، سیوریج جیسی بنیادی سہولتوں کا حصول ناپید یا پہاڑ سر کرنے جیسا مشکل، حصول انصاف کے ادارے تباہ شدہ، زرخرید جج تاکہ بڑوں کے جرائم کی پکڑ نہ ہو پائے، ووٹ صرف بااثر اور جرائم پر کمر بستہ لوگوں کو دینے کی مجبوری اور ٹوٹی پھوٹی سڑکیں، گندگی کے ڈھیر، دن دہاڑے ڈکیتیاں، اغوا برائے تاوان، مذہبی تفرقے بازیاں، انتہا پسندی، خودکش بمباری، ہر شعبہء زندگی پر منظم جرائم مافیاز کا راج۔ لیکن آیئے، ایک صاحب علم وقلم کا اقتباس پھر ایکبار دل تھام کر پڑھ لیتے ہیں جو اس کمترین کی تحریر سے کہیں زیادہ چشم کشا ہے:۔

''لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم نے مشرق کی طویل عرصے تک سیاحت کی۔ آخر تم نے کیا دیکھا؟ میں کیا بتاؤں کیا دیکھا؟ میں نے اس سرے سے اُس سرے تک ویران حال بستیاں، ٹوٹے پھوٹے پل، بند نہریں، سنسان سڑکیں دیکھیں۔ میں نے جھریاں پڑے چہرے، جھکی ہوئی کمریں، خالی دماغ، بے حس دل، الٹی عقلیں دیکھیں۔ میں نے ظلم، غلامی، خستہ حالی، ریاکاری، قابل نفرت برائیاں، طرح طرح کی بیماریاں، جلے ہوئے جنگل، ٹھنڈے چولہے، بنجر کھیت، میلی صورتیں، ننگے ہاتھ پاؤں دیکھے۔ میں نے بے جماعت کے امام دیکھے۔ بھائی کو بھائی کا دشمن دیکھا۔ دن دیکھے جن کا کوئی مقصد نہیں۔ راتیں دیکھیں جن کی کوئی صبح نہیں''۔ (علامہ عنایت اللہ المشرقی)

قارئین اپنے ملک کے بڑے شہروں اور ان کے گردونواح کی مصنوعی چکا چوند سے صرفِ نظر کرکے اگر آپ بھی اپنی پسماندہ بستیوں، چھوٹی سڑکوں اور دور افتادہ دیہی علاقوں اور پسماندہ صوبوں کی سیاحت فرمائیں تو علامہ مشرقی کے دردِ دل کی سچائی آپ کی نظروں کے سامنے آجائے گی۔ آپ اس انتہا درجے کی غریبی جگہ جگہ دیکھ سکیں گے کہ کھانے کا ایک لقمہ بھی آپ کے منہ میں جانے سے انکار کردے گا۔ آپ انسانوں کو گندہ پانی پیتے، کچرے سے غذا کھاتے، جانوروں کی زندگی گزارتے دیکھیں گے۔ یہ سب عذاب اس حقیقت کے علی الرغم ہیں کہ امتِ مسلمہ مذہبی جوش وجذبات سے گذشتہ کل کی

طرح آج بھی لبریز ہے۔ دعاؤں، مناجاتوں، ختموں، میلادوں، نمازوں، تسبیحوں کا ایک لا متناہی سلسلہ ہے اور دکھی انسانوں کا غول گریہ باراں۔ پھر بھی کوئی مژدۂ جاں فزا ان کی قسمت میں نہیں۔ بقول شاعران کا حال کچھ اس طرح ہے کہ

نہ درد جائے نہ درماں آئے   مگر جبطِ دعا ہے اور میں ہوں

کوئی نئی سحر آزادی وخوشحالی کے اجالے لے کران کے راہ میں دیدہ ودل فرشِ راہ کئے ہوئے نہیں۔ بلکہ شاعر کے الفاظ میں نقشہ کچھ یوں ہے۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر   وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لیکر   چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں   تاروں کی آخری منزل

اس قیامتِ موجود کا حقیقی سبب

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست　　　خود سرِ تختِ ملوکیت نشست

قرآنِ حکیم میں ہم سب کے خالق و مالک نے "تمکن فی الارض"، یعنی مسلم اسٹیٹ کے قائم ہو جانے پر جس نظام کا بالالتزام حکم دیا اور جس کا مکلف و پابند ہماری ہیئتِ مقتدرہ کو ٹھہرایا تھا وہ اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ کا واضح ترین اور تکرار سے دہرایا گیا حکم ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ الحج کی آیت ۴۱ سے اقتباس:۔

"**الذین ان مکنھم فی الارض اقامو الصلوٰۃ و آتو الذکوٰۃ و امر و بالمعروف و نھو عن المنکر و للہ عاقبۃ الامور** ۔(ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر حکومت عطا کریں تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کریں گے اور معروفات کو رائج اور منکرات سے منع کریں گے اور تمام امور کی انجام دہی اللہ ہی کے حق میں یعنی اسی کی ہدایت کے مطابق ہوگی)۔

معروفات و منکرات بھی اسی اقامت صلوٰۃ کا ہی جزو ہیں اور اسی نظام صلوٰۃ کے تحت نافذ ہوتے ہیں۔ اقامتِ صلوٰۃ درحقیقت احکامِ الٰہی کے نفاذ و پیروی کا لغوی، اصطلاحی اور تاریخی معانی رکھتا ہے۔ لغوی اور اصطلاحی معنی تو تمام اعلیٰ درجے کی مستند لغات عربیہ سے واضح ہے۔ تاریخی معنی یہ اس لئے ہے کہ انسان کی تخلیق کے بعد سے اس کی تربیت و اصلاح کیلئے ہر قوم میں جو عالی مرتبت پیغمبر مبعوث کئے گئے ان سب کا عملی منشور اقامت صلوٰۃ ہی تھا۔ یعنی اللہ کے احکامات کا معاشرے میں نفاذ تا کہ انسانیت ان تمام بوجھوں اور زنجیروں سے آزاد ہو سکے جن میں اسے طاقتور استحصالی طبقات ہمیشہ سے ہی جکڑ لیتے رہے ہیں۔ انسانیت کی تمام معلوم تاریخ ظلم و جبر کی داستانوں سے بھری پڑی ہے اور تمام انبیاءؑ و رسل کی تاریخ انسانیت کو اقامتِ صلوٰۃ کے اللہ کے دیئے ہوئے منشور کے ذریعے اس ظلم و جبر سے بچانے کی جاں گسل جدوجہد کی انقلابی کوششوں سے عبارت ہے۔

دراصل انسانیت کی قسمت اس طرح پھوٹی کہ اقدار کے اندھیروں کے ایک طویل دور (لیلۃ القدر) میں

تاریخ کے ایک خاص مبارک لمحے میں نبی آخر الزماں مبعوث ہوئے۔ اقامۃ الصلوٰۃ کے قرآنی منشور کے نفاذ کی اسی جاں گسل جدوجہد میں کامیاب وسرخرو ہوئے جو حضرات انبیاء ورسل کا خاصہ رہی۔ قرآن حکیم کے منشور پر حکومت الٰہیہ قائم کی۔ انسانیت کو ظلم واستحصال کے ایک طویل دور سے نجات دلا دی۔ امن وعافیت کی زندگی کی نہایت روشن مثالیں قائم کرکے کاروانِ انسانیت کے مستقبل کی راہیں روشن فرما دیں۔ لیکن آنجناب کی رحلت کے تھوڑے ہی عرصے بعد، شکست خوردہ عالمی طاقتوں کو دراندازی کا موقع مل گیا۔ انہوں نے زیرزمین سازشوں کے ذریعے قرآن حکیم کے زندہ جاوید پیغام کو غیر محسوس انداز میں مسخ کرنے کی انتہائی منظم ومربوط کوششیں شروع کردیں۔ یہ لوگ جان گئے تھے کہ اسلامی عروج کا اصل محرک قرآن کا انقلابی فلسفہ حیات تھا۔ فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مال وزر کی فراوانی نے اکابرینِ امت مسلمہ کو عیش وعشرت اور آرام طلبی کی زندگی کا خوگر کرنا شروع کردیا تھا۔ عرب اشرافیہ کی قدیمی مطلق العنانی اور جبر واستحصال کی سرشت جبلی طور پر موجود تھی۔ قرآن کا انقلابی پیغام آہستہ آہستہ پسِ پشت جانا شروع ہوا۔ مسخ شدہ تراجم وتفاسیر نے جن کی بنیاد وضعی (Fabricated) روایات پر جانی بوجھی سازش کے تحت رکھی گئی تھی۔ بادشاہوں کی مطلب براری کا کام بھی کیا۔ اسی لئے یہی تراجم و تفاسیر سرکاری سرپرستی سے سرفراز ہوئے۔ پھر کس کی مجال تھی کہ حق کی آواز بلند کرتا اور اپنا سر کٹواتا۔ بتدریج یہی وضعی تراجم وتفاسیر پوری سلطنتِ اسلامیہ میں رواج ودوام پا گئیں جن کی رو سے بادشاہ اللہ کا سایہ (ظلِ اللہ) زمین پر فائنل اتھارٹی، تمام وسائلِ سلطنت کا ذاتی مالک اور انتہائی درجے کے عیش و عشرت کی زندگی کا حقدار بن گیا۔ ایک عدد نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ علمائے کرام کے سرخیل وسرتاج اور حجۃ الاسلام کا خطاب رکھنے والے امام غزالیؒ فرماتے ہیں ''سلطان زمین پر اللہ کا سایہ ہے لہذا یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ سلطانی سلطانوں کو اللہ نے مرحمت کی ہے۔ لہذا ان کی اطاعت کرنی چاہیے۔ ان سے محبت کرنی چاہیے اور ان کا حکم ماننا چاہیے۔ سلطان سے جھگڑا کرنا درست نہیں اور ان سے نفرت کرنا غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم''۔ (نصیحت الملوک۔ صفحہ 44 مطبوعہ لندن 1964)۔ یہاں وظیفہ خواری بشرطِ وفاداری ایک ایک لفظ سے کس طرح ٹپک رہی ہے قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اقامت صلوٰۃ کے حکم یعنی تنفیذ واتباعِ احکام الٰہی

کے ساتھ ساتھ تو یہ سب کچھ نہیں چل سکتا تھا اس لئے سب سے قبل اقامت صلوٰۃ کا معانی مسخ کر کے ''نماز قائم کرنا'' کیا گیا۔ یعنی ''اللہ کے حضور'' حاضر ہو کر 5 مرتبہ، پانچ پانچ منٹ اس مالک کی پرستش کر لینا قرار دے دیا گیا اور اسی چند منٹ کی کاروائی کو پورے مربوط اور جامع قرآنی انقلابی منشور کا خلاصہ، نچوڑ، مرکز اور ستون، قرار دے کر ان حکمرانوں نے تمام تر ''پریشان کن'' فرائض و واجبات، انسانی فلاح و بہبود، تقاضائے عدل و انصاف، اصلاح و رعایات و حقوق سب سے گلو خلاصی حاصل کر لی۔ اقامت صلوٰۃ کا حکم دراصل انہی حکمرانوں یعنی اسلامی ہیئتِ مقتدرہ کیلئے تھا کیونکہ یہی اسکے نفاذ و اتباع کی اہلیت و طاقت رکھتے تھے۔ لیکن فنکاری کی انتہاء دیکھئے کہ اُس فرض منصبی اور نصب العین کی پہلے تو ماہیت ہی یکسر تبدیل کر دی گئی۔ اسے نماز بنا کر پرستش کے عمل کی شکل دی گئی اور پھر اسے مسلم عامۃ الناس کے سر پر تھوپ دیا گیا۔ حکومت عرب استعمار کے ہاتھ میں تھی۔ سب سے اوّل عرب عوام کرپٹ کی گئی اور صلوٰۃ کا مطلب ان کو تلوار کے ذریعے برین واش کر کے ''نماز پڑھنا'' یعنی پرستش کرنا (Worship) باور کرایا گیا۔ ثانیاً سارا عالم اسلام جو راہنمائی کیلئے عربوں ہی کی طرف دیکھتا تھا کرپٹ کر دیا گیا۔ عرب جو اپنی زبان دانی پر ناز کرتے تھے اور صلوٰۃ کا مطلب نفاذ و پیروی احکامِ الٰہی بخوبی سمجھتے تھے ان کی عقلیں خبط کرنے کیلئے تلوار کے استعمال کے ساتھ ساتھ جو چیز ایجاد و اختراع کی گئی وہ قرآن کے متوازی احادیث کی کتابوں کی بھرمار تھی۔ ان کتابوں میں من گھڑت کہانیوں کی رپورٹنگ کے ذریعے رسالتمابؐ اور صحابہ کرام کو ہمہ وقت نماز کا Ritual ادا کرنے کا خوگر و شیدا دکھایا گیا اور جھوٹ اتنی تکرار و تسلسل سے گھڑا گیا کہ سچ کا درجہ اختیار کر گیا۔ حکمران خود بھی وقتاً فوقتاً یہی نماز پڑھ کر ''الذین ھم یرآون'' کا نمائشی کردار ادا کرتے رہے۔ یہ جھوٹ اغلباً پہلی صدی کے نصفِ ثانی اور دوسری صدی کی ابتداء ہی سے گھڑنا شروع کیے گے۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد پارسیانِ ایرانی حکومت اسلامیہ میں مکمل اقتدار و تصرف حاصل کر چکے اور اپنی جڑیں سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور علمی تمام میدانوں میں مضبوط کر چکے تھے۔ ملت اسلامیہ کو امامت کا سبائی (مشہور یہودی کردار عبداللہ ابن سبا) فلسفہ پڑھا کر دو بڑے دھڑوں میں بانٹ چکے تھے اور پہلی ڈیڑھ صدی ہجری کے تمام حقیقی اسلامی تحریری ریکارڈ کو مدینہ، مکہ، کوفہ، دمشق وغیرہ جیسے دارالحکومتوں کے آرکائیوز (Archives) سے غائب کروا کر تلف کروا چکے تھے۔ اب کوئی بھی کسی

تحریری مواد یا ریکارڈ سے یہ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ رسالتمآبؐ نماز نہیں پڑھایا کرتے تھے بلکہ مشاورت اور تدریس وتربیت کے اجتماعات منعقد کرایا کرتے تھے۔ مسجدیں پبلک سیکرٹریٹ کا درجہ رکھتی تھیں جہاں تمام احکام الٰہی کی ترویج وتنفیذ کا اہتمام اور مملکت کے نظم ونسق کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو نظریاتی اور شعوری سطح پر احکامِ قرآنی کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاتا تھا۔ عباسیوں سے قبل بنی امیہ بھی موروثی حکمرانی کو مضبوط کرنے میں مصروف رہے اور فتوحات کے سہرے سر پر سجانے والے بڑے بڑے جلیل القدر مسلم جرنیلوں کو ذاتی انا کے تحت ذلیل وخوار کرتے اور قتل کرواتے رہے۔ 132ھ میں ابوالعباس السفاح کے ہاتھوں جو عباسی بادشاہت امویوں کو تہِ تیغ کرنے کے بعد وجود میں آئی وہ سراسر مجوسِ ایرانی یعنی آتش پرستوں کی سیاسی اور عسکری مدد سے تشکیل پائی تھی۔ ابو مسلم خراسانی (مجوسی) کی فوجوں نے آخری اموی خلیفہ مروان ثانی (الحمار) کو شکستِ فاش دے کر سلطنت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں کی اور حضورؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلبؓ کی اولاد کو اپنے آلہ کار کے طور پر تخت پر بٹھا کر مذہبی سند اور تقدس کا درجہ حاصل کر لیا۔

پھر تاریخ نے بڑے رنگا رنگ کھیل کھیلے۔ عباسی بلا شرکتِ غیرے وسیع وعریض سلطنت کے مالک بن گئے۔ ان کے حرموں میں ایرانی خواتین داخل کی گئیں۔ ہوش ربا محلات تعمیر ہوئے۔ زر وجواہر کے انبار لگائے گئے۔ بغداد کی رنگین راتوں کے پسِ منظر میں الف لیلہ جیسی طلسماتی کہانیاں تخلیق ہوئیں۔ عباسی خلفاء ایرانی عورتوں کے بطون سے پیدا ہوتے رہے۔ ان تقدس مآب شخصیات کا فرض منصبی عیاشیاں کرتے رہنا تھا اور احکامات صادر کرنا تھا۔ انتظامیہ کی مسندوں پر فائز رہنے والے سب ایرانی وزراء وامراء تھے۔ انہی میں افسانوی درجہ رکھنے والے برامکہ بھی تھے جو خراساں کے سب سے بڑے آتشکدہ کے چیف پروہت کی اولاد تھے۔ ظاہراً شیعہ مسلک اختیار کر چکے تھے۔ زیرِ زمین ایجنڈا اب برسرِ عام تکمیل پانے لگا۔ ایرانی النسل اصحابِ قلم دن رات روایتیں تخلیق کرتے، جھوٹی سندیں گھڑتے، رسول اللہؐ کی ذاتِ مبارک سے منسوب کرتے اور سرکاری سرپرستی میں تشہیر کے مراکز تک پہنچا دیتے۔ جہاں سے یہ من گھڑت کہانیاں حدیثِ رسولؐ کے نام سے پورے عالم اسلام میں پھیلا دی جاتیں۔ روزمرہ زندگی کے تمام معاملات، حکومتی قوانین ودساتیر، عبادات کے طور طریقے قرآن کی

بجائے انہی وضعی کہانیوں میں تلاش کیے جاتے جن میں حق کو باطل اور جھوٹ کو سچ بنا دیا گیا تھا۔ ایک ایک سازشی کذاب اس پائے کا اس مشن میں استعمال کیا گیا کہ جس نے تیس تیس ہزار جھوٹی "احادیثِ رسول" گھڑیں اور اس جعلسازی کا اعتراف بھی کیا۔ قاضیوں کے عہدے بھی انہی کو دیئے گئے جو مسلمانوں کے بھیس میں ایرانی مجوسیوں کی اولاد تھے اور اب شیعہ فرقے سے متعلق ہو کر آلِ رسول کی حمایت کے ڈھونگ میں تمام اصحابِ رسول اور خلفائے راشدین پر تبرا اور رفض (یعنی فحش گالی گلوچ) کرتے تھے۔ یہ قاضی اسبات کے مکلف تھے کہ غیر قرآنی فقہ کے مطابق فیصلے کریں اور ہر مسئلے کا حل قرآن کو نظر انداز کر کے فقہ و احادیث میں تلاش کریں۔ تمام ابتدائی مورخین، محدثین، سیرت اور تفسیر پر قلم اٹھانے والے تو ایرانی النسل شیعہ رافضی تھے ہی لیکن مقام حیرت یہ ہے کہ فقہ کے چاروں امام جو سنی کہلاتے ہیں ائمہ رجال کے نزدیک شیعہ ہمدردیاں رکھنے والے اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحقیق کے مطابق مخلصینِ شیعہ میں سے تھے۔ غالباً یہ اسی لئے شیعہ مسلک رکھنے والے مجوسی وزراء و امراء کے ساتھ بقائے باہمی کے رشتے میں منسلک رہے اور اندر ہی اندر اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہے۔ کبھی حکومت کو ناجائز، غیر اسلامی اور آمریت نہ کہا۔ نوروز اور شب برات کے آتش بازی کے پارسی جشن اب مسلم دارالحکومت میں حکومتی اتھارٹی کے تحت منائے جانے لگے اور اسلامائز کر لئے گئے۔ اسی دور میں لفظ درود اور لفظ نماز اسلامی ذخیرہ الفاظ میں داخل کئے گئے۔ خلفائے اسلام یعنی عرب اشرافیہ ہی کی سرپرستی میں رسول اللہؐ کی ذاتِ گرامی، امہات المومنین اور صحابہ کرامؓ کے کرداروں سے متعلق ایسی ایسی فحش گوئی الفاظ کے پردے میں چھپا کر اور علانیہ کی گئی کہ معاذ اللہ۔ مخالفت میں آواز بلند کرنے والے فتوے لگوا کر فی الفور قتل کروا دیئے جاتے۔ پھر یہ تمام مذموم مواد چھ عدد ایرانی النسل علماء محدثین کے ذریعے کتابی شکل میں مرتب کروا کر (صحاحِ ستہ) قرآن کا راستہ ہمیشہ کیلئے بند اور قدسیین کے کردار ہمیشہ کیلئے مسخ کروا دیئے گئے۔ یہ سب گناہِ عظیم مسلم حکمرانوں کے تحت دن دھاڑے نہایت دیدہ دلیری سے کئے جاتے رہے۔ عرب اور غیر عرب عوام تلوار کے خوف اور خوئے غلامی کے سبب یہ گھناؤنے طوق دینِ اسلام کی گردن میں حمائل ہوتے چپ چاپ دیکھتے رہے۔ آج بھی اسلام اور رسول کریمؐ پر تہمتیں لگانے کیلئے تمام دشمنانِ اسلام انہی کتابوں (صحاحِ ستہ) سے اکتساب فیض فرماتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا بالکل بجا ہے

کہ وہ اپنے پاس سے کچھ نہیں گھڑتے۔ اسلامی لٹریچر ہی میں یہ سب خرافات موجود ہے اور مسلمان اس کو نہایت شدت کیساتھ Own کرتے ہیں۔ چند احادیث ایسی ہی ایک مستند ترین کتاب سے جسے ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کہا جاتا ہے عبرت کیلئے پیشِ خدمت ہیں۔ البتہ منجمد عقائد رکھنے والے بھائیوں سے معذرت۔ نیز وہ غالب طبقہ ہماری مذہبی سیادت کا جس کی معاش اور اقتدار کا انحصار مذہبی میدانوں میں Status quo قائم رکھنے پر یعنی صورت احوال کو جوں کا توں قائم رکھنے پر ہے ان کیلئے یہی درخوست اس احقر کی جانب سے کہ اس نکتے سے آگے نہ بڑھیں تا کہ ناگواری طبع کا باعث بن کر انتقامی جذبہ کو مہمیز لگ جانے کا سبب نہ بن جائے۔ کیونکہ یہ تحریر وہ برہنہ حقائق سامنے لاتی ہے جن پر مذہبی عقیدتوں سے ماؤف شدہ دماغ آج تک سوچ وفکر کے دروازے واہی نہ کر پائے یا جن پر تنقید و تحقیق کا ذکر بھی زباں پر لانا خارج از اسلام ہو جانے کے مترادف مان لیا گیا۔ جبکہ یہ حقائق اپنی اصل میں انتہائی لچر، بیہودہ اور فحش نوعیت رکھتے ہیں اور ناموسِ اسلام کو عرصہ دراز سے پارہ پارہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسلام کے عہدِ زریں کی ایک گھناؤنی تصویر پیش کرتے ہیں اور قدسیوں کی عظمتوں کو فضول یاوہ گوئیوں کے طوفان میں گم کر دیتے ہیں۔ اہلِ مغرب کی طرف سے اہانتِ رسولؐ وصحابہ پر مبنی جو بھی مواد شائع کیا جاتا ہے اور جس پر ہماری مذہبی قیادت احتجاج وانتقام کے طوفان کھڑے کر کے اپنا ہی قومی تشخص برباد کرتی اور املاک واثاثے منہدم کرواتی ہے وہ تمام مواد انہی مذموم حقائق پر مبنی ہوتا ہے جو ہماری مذہبی قیادت مکمل اجماع امت کی سند کے ساتھ، بڑی بڑی انسانی کتابوں میں جمع کر کے اپنے سینوں کے ساتھ لگائے پھرتی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، ذیل کی چند چشم کشا امثال محترم قارئین کے پیشِ خدمتِ عالی اس لئے کی جارہی ہیں کہ اس ضمن میں شرح صدر کا موجب بن کر حتمی فیصلہ تک پہنچنے میں معاون ثابت ہوں اور ایمان اور عقیدوں کو صحیح قرآنی نصب العین پر لیجانے کا فریضہ انجام دیں۔ پہلے ایچ اے بیگ صاحب کی کتاب ''آتشِ انتقام'' سے ایک اقتباس:۔

''زبانی بدگوئی کتنی ہی دل آزار ہو، وقت کے ساتھ ساتھ وادیءِ فراموش میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کردار کشی کو تحریری شکل دی جائے اور ماخذ کی کتابوں میں محفوظ کر لیا جائے تو جب تک ان کتابوں کا وجود باقی ہے، دل آزاری تازہ بہ تازہ ہوتی رہے گی۔ ہماری کتب میں عصمتِ رسول اللہ کو

داغدار بنایا گیا ہے۔ ایسی باتیں لکھی گئی ہیں کہ حیا منہ کو آتی ہے۔ مرحوم محمد اسلام صاحب نے ایسے ہی واقعات کو جمع کر کے کتابی شکل دی تھی۔ سنا ہے اس کے سرورق پر لکھا تھا۔ چند حدیثیں جو مسلمان بہنوں اور بیٹیوں کو پڑھائی جائیں۔ لیکن حقیقت میں وہ ایسی حدیثیں تھیں کہ بے حیا سے بے حیا اور ماڈرن سے ماڈرن مسلمان خودکشی کرنا تو قبول کر لیتا مگر بہنوں، بیٹیوں حتیٰ کہ اولاد نرینہ سے بھی اس کتابچے کو دور رکھتا۔ ان کتابوں کو ماننے والے اور تخلیق کرنے والے کہنے کو تو ہم سے آواز ملا کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ منافقینِ عجم کی کارستانی ہے۔ لیکن جب انہیں بتایا جائے کہ یہ سب خرافات ہماری کتابوں میں درج ہیں تو کیا ان کو لکھنے والے بھی منافق تھے؟ تو سیخ پا ہو جاتے ہیں اور مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں اور محلّہ میں مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں زندیق ہے، کافر ہے، مرتد ہے کیونکہ حدیثوں کو ماننے سے انکار کرتا ہے"۔

قارئین اب اس "بیش بہا خزانے" سے چند نادر نمونے۔ لیکن فحش گوئی کیلئے پہلے ہی سے معذرت۔

نقل کفر کفر نہ باشد:۔

1۔صحیح بخاری۔جلد2۔باب601۔حدیث نمبر1634

نساؤ کم حرث لکم فا توا حر ثکم انیٰ شئتم و قدموا لانفسکم ۔۔۔ الخ (2/223)

ترجمہ: تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ اور اپنے لئے نیک عمل آگے بھیجو۔

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

نافع مولیٰ ابن عمر سے مروی ہے، کہ عبداللہ بن عمر قرآن پڑھتے میں کسی سے کلام نہیں کرتے تھے۔ ایک روز قرآن پڑھتے میں میں ان کے پاس چلا گیا جب وہ سورۃ بقرہ پڑھتے ہوئے اس آیت (نساؤ کم ۔۔) پر پہنچے تو مجھ سے کہا کہ تجھے معلوم ہے یہ آیت کب نازل ہوئی۔ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ انہوں نے اس کا شان نزول بیان کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مرد عورت سے دبر میں جماع کرے اور پھر آگے پڑھنے لگے۔ عبدالصمد کہتے ہیں ابن عمر سے یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ بعض آدمی عورتوں سے اغلام کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جابر سے روایت ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی عورت سے الٹا لٹا کر جماع کرے اس کی اولاد بھینگی ہوگی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ قول غلط

ہے۔ عورتوں سے جس ہیئت سے چاہو جماع کرو۔" (مطالب الفرقان جلد سوم) (آتش انتقام) (یعنی اسلام میں Sexual Perversion کی کھلی اجازت؟؟)

علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی شرحیں لکھیں ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ امام مالک اور امام شافعی اپنی عورتوں سے غیر فطری مباشرت کرتے اور اسے جائز سمجھتے تھے۔ (معاذ اللہ)

2۔ صحیح بخاری جلد سوم۔ باب 54۔ حدیث 97

قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ کن کن عورتوں سے تمہارے لئے نکاح ناجائز ہے اور کن سے جائز (4/23)۔ اب بخاری صاحب کا حلال وحرام ملاحظہ ہو۔ "عکرمہ نے ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ اگر کسی نے اپنی سالی سے زنا کیا تو اس کی جورو، اس کی سالی کی بہن اس پر حرام نہ ہوگی اور ابو جعفر سے روایت ہے کہ کوئی شخص لڑکے سے لواطت کرے اور دخ۔۔۔ کر دے تو اب اس کی ماں سے نکاح نہ کرے اور ابن عباسؓ سے روایت ہے اگر کسی نے اپنی خوشد امن (ساس) سے زنا کیا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہ ہوگی۔ (آتشِ انتقام) (یعنی زنا اور لواطت جیسے گناہِ کبیرہ سے اجتناب یا ان کی سزا یا اس قدر اخلاقی پستی کا تو ذکر ہی نہیں۔ رواداری میں اس فحاشی کا ذکر یہ ثابت کرنے کیلئے ہے کہ زنا کاری، اغلام بازی وغیرہ آنحضرت کے زمانے میں صحابہ کا عام روٹین عمل تھا۔ (معاذ اللہ)

3۔ صحیح بخاری شریف جلد سوم۔ باب 22۔ کتاب الطلاق۔ حدیث 157

امام اوزاعی اور ابنِ شہاب زہری کہتے ہیں کہ ہم سے کہا ابو اسید نے کہ ایک بار (مدینہ سے) باہر آنحضرت کے ساتھ ہم نکلے۔ ایک احاطے والے باغ پر پہنچے جس کا نام شوط تھا۔ وہاں جا کر دو اور باغوں کے بیچ میں بیٹھے۔ آپؐ نے ہم لوگوں سے فرمایا تم لوگ یہیں بیٹھو اور آپ باغ کے اندر تشریف لے گئے۔ وہاں جونیہ عورت حضور کے پاس لائی گئی۔ اس کو کھجور کے باغ میں ایک گھر میں اتارا گیا تھا۔ اس عورت کا نام امیمہ بنت نعمان شراحیل تھا۔ اس کے ساتھ اس کی انا کھلائی بھی تھی۔ اس کا نام معلوم نہیں ہوا۔ حضور اس کے پاس تشریف لے گئے آپ نے فرمایا۔ ہبی نفسک لی۔ اپنا آپ مجھے بخش دے۔ اس

نے کہا جا، کہیں بادشاہ زادیاں بھی اپنا آپ بازاریوں (یعنی رعیت) کو بخشا کرتی ہیں؟۔آپ نے (اس سخت کلمے پر بھی پیار سے) اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور اس کے دل کو تشفی ہوئی وہ کہنے لگی میں تم سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔اس وقت آپ نے فرمایا تم نے ایسے کی پناہ لی جو پناہ لینے کے قابل ہے اور آپ باہر آ گئے۔آپ نے فرمایا ابو اسید، اسکو ایک جوڑا کپڑے کا دے دو اور اس کو اس کے گھر والوں کے ہاں پہنچا دو اور حسین بن ولید نیشا پوری نے (جس سے امام بخاری نہیں ملے) اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن عقیل مذکور سے روایت کیا۔سہل بن سعد اور ابو اسیدؓ سے دونوں نے کہا حضورؐ نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا جب وہ آپ کے پاس لائی گئی آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو اس (کمبخت بدنصیب) کو برا لگا۔آپ نے ابو اسید سے فرمایا کہ ایک سفید جوڑا کپڑوں کا اس کو (احسان کے طور پر) دے دو۔(یہاں اس قطعی غیر منطقی اور من گھڑت واقعہ کی روداد سے 20 سوالات ایسے پیدا ہوتے ہیں جنکے جوابات نہیں دیئے جاسکتے اور اس شرمناک واقعے کو سچ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔لیکن حضورؐ کی خصوصاً اور اسلامی تہذیب کی عموماً کردار کشی بہر حال کر دی گئی)۔

4۔صحیح بخاری۔کتاب النکاح۔صفحہ 52

نبی ﷺ اپنی تمام بیویوں کے پاس ہر رات میں دورہ فرمالیا کرتے تھے اور وہ تعداد میں نو تھیں۔

5۔صحیح بخاری جلد دوم۔صفحہ 189

انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ اپنی سب بیویوں کے پاس ایک گھنٹے کے اندر دورہ فرمالیا کرتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔(کتاب الغسل میں امام بخاری کے نام سے اس حدیث کا عنوان لکھا گیا ہے" ایک ہی غسل سے جماع کے بعد جماع تمام بیویوں سے کرنا")۔

6۔صحیح بخاری کتاب النکاح۔صفحہ 52

فرمایا حضورؐ نے امت کا بہترین آدمی وہ ہے جس کی زیادہ بیویاں ہوں۔

7۔صحیح بخاری کتاب الحیض۔صفحہ 97

عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ اور میں ایک ٹب میں نہاتے تھے اور وہ حالت حیض میں مجھ سے اختلاط فرمایا کرتے تھے۔

8۔صحیح بخاری۔کتاب النکاح۔صفحہ 56

رسولؐ نے حضرت جابر بن عبداللہ کو سرزنش کی، تم نے شوہر دیدہ (بیوہ) عورت سے نکاح کیوں کیا؟ کنواری نوعمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا کہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔

9۔صحیح بخاری۔کتاب النکاح۔صفحہ 67

خولہ بنت حکیم نے خود کو نبی کیلئے تحفتاً پیش کیا۔حضرت عائشہ بولیں ''عورت کو ایسا کہتے شرم نہیں آتی'' نبیؐ پر وحی نازل ہونے لگی تو حضرت عائشہ بولیں ''یارسول اللہ میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہشات کو پورا کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے۔

10۔صحیح بخاری۔جلد اول۔کتاب الصوم۔باب المباشرہ 1207۔حدیث نمبر 1807۔مکتبہ رحمانیہ۔مترجم علامہ وحیدالزمان

اسود سے عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرتؐ میرا بوسہ لیتے تھے اور مباشرت کرتے تھے اور آپ روزے سے ہوتے تھے۔(یعنی خدا کی معصیت بذمہ رسول خدا۔معاذ اللہ)

قارئین ابھی تو صرف تمہید ہے اور حد ادب مزید نقل کرنے میں سدِ راہ ہورہا ہے۔یہاں تو فحاشی وعریانی کا وہ سیلاب ہے کہ آپ کا طائرِ خیال وہاں تک پرواز بھی نہ کرسکے۔معافی کا طلب گار ہوں کہ آگے مزید نہ لکھ سکوں گا۔البتہ ایچ اے بیگ صاحب کی ''آتش انتقام'' اور فلوریڈا کے ڈاکٹر شبیر احمد کی ''اسلام کے مجرم'' کا مطالعہ ضرور فرمالیں جن میں خاصی چشم کشا تفاصیل ان مقدس کتابوں کے بارے میں دی گئی ہیں۔ہمارا موضوع ان صفحات میں قدرے مختلف ہے۔اپنے خاص موضوع کی طرف مڑتے ہوئے یہ احقر اتنی امید ضرور کرتا ہے کہ ضروری حوالہ جات خود چیک کرنے کے بعد تمام غیرت مند مسلمان بھائی اولین فرصت میں بخاری صاحب کے اس کلنک نامہ کو دیگر پانچ کتابوں کیساتھ آگ میں ڈال کر بھسم کردینا چاہینگے۔لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ کیا بخاری اور ان جیسے دوسرے دشمنانِ اسلام عین اسلامی حکومت کے مراکز میں بیٹھ کر اس قسم کے کارنامے سرانجام دے سکتے تھے جنکے خوفناک نتائج کا عذاب آج تک پوری مسلم امت بھگت رہی ہے۔یہی تو وہ گھناؤنے جرائم وگناہ ہیں جنکی پاداش میں جیسے قبل ازیں ذکر کیا گیا، قیامت کے سارے عذاب اسے پھونکے ڈال رہے ہیں۔لیکن آفرین ہے

بادشاہوں کی تخلیق و پرورش کردہ مذہبی پیشوائیت پر کہ نہ ہی اس مواد پر شرمندہ ہوتے ہیں نہ نادم، نہ ہی اسے ترک و منسوخ کرنے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں بلکہ اسی ناپاک مواد میں سے نہایت ڈھٹائی اور بے غیرتی سے یہ شرمناک استدلال کرتے ہیں کہ (معاذ اللہ) رسالتمآب کو خدا تعالیٰ نے تیس مردوں کے مساوی جنسی قوت عطا کی تھی۔ آیات اللہ کا سودا چند دنیاوی سکون کے بدلے میں اسی مذموم مواد سے کرتے ہیں۔ اپنے اور اپنی اولادوں کیلئے دنیاوی جاہ و حشم اور کردگاری کی ایک دائمی گدی کے حصول کیلئے غاصب اور جابر حکمرانوں کے طفیلی بن کر اسی مذموم مواد کو نسل درنسل دوام بخشتے جاتے ہیں تا کہ استحصالی اشرافیہ انسانوں پر ہمیشہ غالب رہے اور قرآنی انقلاب کے ذریعے ''یوم الدین'' یعنی اللہ کے دیئے فلسفۂ حیات کا وہ دور کبھی واپس نہ آسکے کہ جس میں ''لا تملک نفس لنفس شیئی والامر یومئذ لله'' (82/19) کی بشارت دی گئی تھی کہ جب کوئی انسان کسی دوسرے پر کوئی غلبہ، برتری یا ملکیت نہیں جتا سکے گا اور ظالموں کے بنائے قانون کی بجائے تمام امور میں اللہ کے نازل کیے ہوئے قوانین ہی کی حکمرانی ہوگی۔ جس دور کے بارے میں شاعر کہتا ہے کہ

گر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں　　مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارہ

اسلام کے حقیقی مجرم۔تصویر کا اب تک پوشیدہ رخ

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

قارئینِ محترم۔آج تک جو کچھ بھی اس موضوع پر آپ کی نظر سے گذرا ہوگا اس میں آپ نے نوٹ فرمایا ہوگا کہ ہمارے جملہ قرآنی فکر رکھنے والے محترم اسکالرز نے اپنی اپنی گرانقدر تصنیفات میں شکست خوردہ ایرانی آتش پرستوں اور ان کے متاخرین ہی کو سارا الزام دیا ہوگا۔قرآن کا راستہ ایرانیوں نے روکا۔تمام سرکاری وعلمی ریکارڈ اور علمائے حق کی تفاسیر، سیر وتواریخ انہوں نے تلف کیں۔قرآن کو مسخ کرنے کیلئے متوازی کتابیں انہوں نے تیار کیں۔ان کتابوں کیلئے من گھڑت گھٹیا اور فحش مواد روایتوں کے نام سے انہوں نے مہیا کیا۔قرآنی تفسیر کا موجودہ اولین ماخذ ایرانیوں کا وضع کردہ ہے۔سیرتِ نبی انہوں نے مسخ کی۔تواریخ انہی نے بگاڑیں۔امامت کا فلسفہ عبداللہ بن سبا کی معاونت سے انہوں نے ایجاد واختراع کیا۔اہلبیت کا مفروضہ انہوں نے گھڑا۔شیعہ مذہب ایجاد کر کے امت کو دو بڑے دھڑوں میں انہوں نے تقسیم کیا۔رسمِ رفض انہوں نے جاری کی۔عرب اشرافیہ کی شاخوں کے درمیان قتل وخون، اقتدار کی کشمکش کے ضمن میں انہوں نے کروایا۔یہاں تک کہ چوتھی صدی ہجری میں فارس کے دیلمی امیر الامرا نے جن کا تعلق آلِ بنی بویہ سے اور وہ سلاطینِ ایران کی نسل سے مانے جاتے تھے خواب دیکھ کر حضرت علی اور حضرتِ حسین کے روضوں کی فرضی جگہ کی نشاندہی کی اور وہاں نجف اشرف اور کربلا کے شہر آباد کرنے کی بنیاد رکھی۔جو بعد ازاں اہل تشیع کے قبلے کی شکل اختیار کر گئے۔انہی آلِ بنی بویہ نے بغداد میں عید غدیر اور عاشورہ محرم منانے کی رسم شروع کی اور مسجدوں پر خلفائے راشدین کے خلاف لعنتیں لکھوائیں وغیرہ وغیرہ۔

لیکن تصویر کا ایک پوشیدہ رخ بھی تھا جو آج تک کسی اسکالر نے دکھانے کی کوشش نہیں کی۔وہ مصر کے ''فتنۃ الکبریٰ'' والے طٰہٰ حسینؔ ہوں یا ''فجر الاسلام'' والے احمد امینؔ مصری یا ہندو پاک کے تمام بڑے بڑے ناموں سے شروع کرتے ہوئے اسلام کے مجرم اور کربلا کی حقیقت والے ڈاکٹر شبیر احمد یا دیگر ہم

عصر اسکالرز ہوں۔

یہاں جو بہت سے سوال پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ کیا یہ تمام سازشی کاروائیاں مسلم عرب بادشاہوں کی اتھارٹی کے تحت اور ان کی نظروں کے سامنے انجام نہیں دی گئیں؟ کیا ہمارے حکمرانوں نے خود دین الٰہی کی بیخ کنی قبول نہ کی؟ کیا انہوں نے اسلام کو دو بڑے فرقوں میں تقسیم ہوتے بقائمی ہوش وحواس نہ دیکھا؟ کیا وہ اگر چاہتے تو یہ سب کاروائیاں روکنے کی طاقت نہ رکھتے تھے؟ کیا وہ جابر و قاہر ہونے کے باوصف، اپنے اقتدار کی بقا کیلئے ہر وقت ہر چھوٹی بڑی سازش یا تحریک یا فکری رجحانات سے باخبر رہنا ضروری نہ سمجھتے ہوں گے؟ کیا تمام دینی، علمی، تہذیبی، ثقافتی شعبے حکومت وقت ہی کی متعلقہ وزارتوں کے کنٹرول میں نہیں تھے؟ تو پھر کیا یہ سب کاروائیاں ان کی خفیہ اشیر باد یا کھلے عام سرپرستی کے تحت انجام نہیں دی جا رہی تھیں؟ کیا وہ اپنے ذاتی موروثی اقتدار کی خاطر اسلام کی دوسری نصف صدی ہی میں دینی حمیت کی تمام خصوصیات سے محروم نہیں ہو چکے تھے؟ اور کیا یہ تمام ایرانی ایجنٹ خود انہی نے تعینات کر کے انہیں منصب، جاگیریں اور وظیفے نہیں دیئے تھے؟ کیا ابن شہاب زہری (مجوسی) جیسا شاتم رسول، تنسیخ القرآن، جمع وتدوین قرآن اور سات قرأتوں میں نزول قرآن کی روایات گھڑنے والا اموی شہزادوں کا اتالیق مقرر نہیں کیا گیا تھا؟ کیا عرب حکمران علمی، تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے ایرانیوں کے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار نہ ہو گئے تھے؟ بدقسمتی سے ان تمام سوالات کا جواب اثبات میں آتا ہے اور یہ جواب ہمیں اس بھیانک حقیقت کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے کہ اسلام کے صدر اول میں ہی، پہلی ہجری صدی کے نصفِ ثانی سے ہی ابتدا کر کے تمام عرب اشرافیہ اور پھر ان کے بعد آنے والے مسلم سلاطین، سب کے سب اصل دشمنانِ اسلام تھے۔ ہمارے مسلمان بادشاہ ہی دراصل اسلام کے اصل مجرم تھے جنہوں نے ذاتی اغراض کیلئے اسلام کی عظیم الشان گاڑی سفر شروع ہونے کے فوراً ہی بعد پٹڑی سے اتار دی۔ ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''۔

قرآنی احکامات بروئے کار رہتے تو ان کی مطلق العنان موروثی بادشاہتیں کیسے قائم رہ سکتی تھیں؟ محلات کیسے تعمیر ہو سکتے تھے؟ جاگیریں کیسے حاصل کی جا سکتی تھیں؟ سینکڑوں عورتیں حرموں میں کیسے جمع کی جا سکتی تھیں؟ غلامی کا دوام کیسے برقرار رکھا جا سکتا تھا۔ لوٹ کھسوٹ اور استحصال سے زرد

جواہر کے انبار کیسے لگائے جا سکتے تھے؟ عوام کو غربت، دہشت اور خوف سے نجات دلا کر خوشحال اور نڈر بنانے کا خطرہ کیسے مول لیا جا سکتا تھا؟ انہیں گریباں پکڑنے اور سوال کرنے سے کیسے روکا جا سکتا تھا؟ اور سب سے بڑھ کر صلوٰۃ کے معنی بدل کر "نماز" رائج نہ کر دی جاتی تو "اقامتِ صلوٰۃ" کا احکامِ الٰہی کے نفاذ کا اولین فریضہ کیسے باطل کیا جا سکتا تھا؟

قارئین، نہایت معذرت کیساتھ، طوالت کی معافی چاہتے ہوئے، اب اصل موضوع کی طرف پلٹتے ہیں اس امید کے ساتھ کہ تاریخی پسِ منظر (Historical Perspective) نے اذہان کو تحقیقِ مطلوب کو قبول کرنے کیلئے کافی وسعتِ نظر فراہم کر دی ہوگی۔

تحقیقِ نماز

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود　　ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام
یہ ہماری سعئ پیہم کی کرامت ہے کہ آج　　صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام

اب آیئے پہلے نماز کی تحقیق کو چھیڑتے ہیں۔ یہ لفظ اپنی اصل میں فارسی (پہلوی) زبان کا لفظ ہے۔ وہیں سے یہ لفظ برصغیر کے مسلمانوں کی زبانوں میں رائج ہوا۔ اردو زبان میں یہ عربی کے لفظ صلوٰۃ کا مترادف ماخوذ کیا جاتا ہے اور قرآنی اصطلاح اقامت الصلوٰۃ کا معنی ''نماز کا قیام'' اخذ کیا جاتا ہے جس کی کوئی سند یا جواز مستند عربی لغات سے نہیں ملتے۔ عامیانہ عربی اردو قوامیس میں صلوٰۃ کا معانی ''نماز'' ہی لکھا مل جائے گا جو غلط العام کے تحت اور صدیوں کے غلط تعامل کی وجہ سے ہندو پاک میں رائج ہو چکا ہے۔ لیکن اپنی وثاقت کا کوئی ثبوت یا سند نہیں رکھتا۔ لفظ ''صلوٰۃ'' کے معنی کیا ہیں۔ یہ کس مادہ (Root) سے مشتق ہے۔ یہ تمام تفاصیل آپ کو لفظ صلوٰۃ کی مابعد آنیوالی تحقیق میں مل جائیں گی۔ یہ لفظ ''نماز'' مذہب کا ستون اور تمام عبادتوں کی اساس و مرکز تصور کیا جاتا ہے۔ انسانوں کے خود ساختہ مذہبی نظاموں کی رو سے اللہ کی اطاعت نہیں بلکہ پرستش ایک لازمی عمل ہوتا ہے۔ یہ دراصل اسی عمل کا نام ہے جو قیام رکوع سجود وقعود پر مشتمل ایک رسمی پرستش کے نظام (Ritual) سے عبارت ہے۔ باور کیا جاتا ہے کہ یہ عمل اللہ کے حضور حاضری اور انفرادی رابطے کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے اس حاضری کے کچھ آداب و لوازم بھی مقرر کر دیئے گئے ہیں جن میں وضو ایک بڑی تمہید کی حیثیت رکھتا ہے جس سے طہارت حاصل کرنے کا مقصد پورا کیا جاتا ہے اور یہ دلیل دی جاتی ہے کہ مروجہ نماز ایک حقیقت ہے اسی لئے تو وضو کے احکامات دیئے گئے ہیں۔ ورنہ اگر اقامت صلوٰۃ احکامات الٰہی کا نفاذ و اتباع ہوتا اور پاک صاف ہو کر اللہ کے حضور پرستش کیلئے حاضر ہونا نہ ہوتا تو پھر ہاتھ منہ اور پیر دھونے کے احکامات کی کیا ضرورت تھی۔ وضو کے ضمن میں احکام الٰہی میں سے آیت 5/6 کا انطباق کیا جاتا ہے جس کا ایک دشمنانِ اسلام کا ترجمہ و تفسیر شدہ معانی ہے جو بالعموم مروجہ رجحانات کے تحت قبولیت کا شرف رکھتا ہے۔ اس کے برعکس

اس آیت مبارکہ کا ایک حقیقی علمی ولغوی معانی بھی موجود ہے جو گہری سازش کے تحت پسِ پشت ڈال دیا گیا تھا۔ دونوں مذکورہ معانی آپ کی خدمت میں پیش کردیئے جائیں گے جو سچ اور جھوٹ کو الگ الگ کر کے نہ صرف منشاء خداوندی کی اساس وحقیقت آپ کے سامنے لے آئیں گے بلکہ اس مکروہ سازش کو بھی بے نقاب کرنے کا فریضہ انجام دیں گے جس میں دشمنانِ اسلام کے ساتھ ساتھ ہمارے تمام عرب بادشاہان بھی ذاتی اغراض و مفادات کے تحت شریک تھے۔ فیصلہ قارئین نے خود اپنے شعور اور اپنے اختیار سے کام لے کر کرنا ہوگا۔

یہ حقیقت اب تک منظر عام پر نہیں آئی کہ دراصل یہ نماز اپنے اسی نام کے ساتھ اور انہی حرکات وسکنات اور انہی مروجہ پانچ اوقات کے ساتھ اپنی ابتدا (Origin) مانوی مذہب میں یعنی قدیم پارسیوں (Zoroastrians) کے مذہب میں رکھتی ہے۔ حکیم مانی صاحب اس مذہب کے بانی تھے اور ساسانی بادشاہوں نے اسے قبول کر لیا تھا۔ اس مذہب کی بنیاد ہمارے دینِ اسلام سے لگ بھگ 400 سال قبل تیسری صدی عیسوی میں رکھی گئی۔ نماز اس وقت سے پڑھی جارہی ہے اور اپنی اصل میں آگ کی پوجا کا عمل ہے اور دنیا کے بچے کھچے آتش پرست، آج تک اپنے آتش کدوں میں یہی نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ دیکھیے (Zoroastrians) کی ویب سائٹ۔ پارسیوں کے عبادت خانے (واقع فریئر سٹریٹ صدر کراچی) کا وزٹ بھی کافی چشم کشا ثابت ہوسکتا ہے۔ نماز ایک قطعی غیر قرآنی عمل ہے جو انفرادی عبادت پر مبنی اور اس کے ذریعے انفرادی نجات کا مفروضہ لالچ دیتا ہے۔ نماز کے باطل فلسفے کی رو سے نمازی کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اس کو قرب الٰہی اور خوشنودی ورضائے خداوندی حاصل ہو جائیگی۔ ایک مرتبہ جب خدا کو خوش کر لیا تو وہ پھر خود ہی نمازی کے تمام اغراض ومقاصد پورے فرمادے گا۔ یعنی کارکشائی وکارسازی کا سارا بار ہمارے مالک کے ذمہ ڈال دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حکیم الامت تو یہ بتا گئے تھے کہ

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ غالب وکار آفریں، کارکشا وکارساز

ان اغراض ومقاصد میں روزگار کا حصول، رزق کی فراوانی، مسائل کا خاتمہ، حالات کی ساز گاری وخوشحالی، دشمن کی تباہی، حصولِ اولاد وغیرہ وغیرہ شامل ہیں اور ساتھ ساتھ آخرت کی زندگی کا توشہ

بھی حاصل ہو جائے گا۔ یہ فلسفہ بھی باور کرایا جاتا ہے کہ تمام کردہ گناہوں اور جرائم سے معافی بھی ساتھ ساتھ ملتی جائے گی۔ یعنی جو گناہ و جرائم فی الحال کئے جا رہے ہیں وہ اگلی نماز پڑھتے ہی معاف ہو جائیں گے۔ اس کے بعد پھر گناہ و جرم کی کھلی چھٹی۔ اگلی نماز پڑھنے پر پھر مکمل معافی۔ یعنی گناہ و مغفرت اور پھر گناہ کا ایک شیطانی چرخہ (Vicious Circle)۔ بالفاظِ دیگر مروجہ نماز گناہوں کا لائسنس، ضمیر کی خلش کا چورن اور مغفرت کا سرٹیفکیٹ سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ خوشنودی الٰہی سے تمام ادھورے کام مکمل اور تمام بگڑے مسائل خود بخود سنور جانے کا یقین ہو جاتا ہے اس لئے اکثریت تو داڑھی بڑھائے، ٹوپی پہنے، سب کام کاج چھوڑ صرف مسجدوں کا خوگر ہو جاتی ہے اور میدان عمل میں خون پسینہ ایک کر کے جہد مسلسل کے قابل ہی نہیں رہتی۔ اس بیکاری میں جو بھی روکھی سوکھی کسی کے طفیل مل جاتی ہے وہی کھا کر شکر ادا کیا جاتا ہے۔ صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں اور ''اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں'' کے اصول کے تحت کچھ کئے بغیر خوشحالی کا مسلسل انتظار ہڈیوں کو زنگ لگا دیتا ہے۔ البتہ زیادہ ہوشیار لوگ اور چالاک شکاری نمازی کا نقاب اوڑھے اپنی تمام جائز و ناجائز مطلب براریاں، خدا کے احکام کی نافرمانیاں کرتے ہوئے، پوری بھی کر لیتے ہیں اور معاشرے میں ''زہد و تقویٰ'' کی بنیاد پر معتبر بھی بنے رہتے ہیں۔

بادشاہت کا آغاز ہوا تو حکومت محلات میں منتقل ہو جانے کی وجہ سے مسجدیں خالی ہو گئیں۔ یاد رہے کہ حیاتِ مبارکہ رسول سے ہی مساجد اپنے حقیقی معانی یعنی اللہ کی اطاعت گاہوں ہی کی شکل میں استعمال ہوتی آ رہی تھیں۔ یہی سربراہان کی رہائش گاہیں تھیں، یہی معاشرتی و تدریسی مراکز تھے۔ یہی مشاورت و عدل کے ایوان تھے۔ یہی اوامر و نواہی جاری کرنے، بیت المال کی کسٹڈی، نظم و نسق اور وظائف و سامانِ خورد و نوش تقسیم کرنے کے مراکز بھی تھے۔ سرکاری وفود بھی یہیں باریاب ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ ثقافتی طائفے بھی یہیں پرفارم کیا کرتے تھے۔ مرکزی سطح پر رسالتمابؐ خود بحیثیت سربراہِ مملکت اور ذیلی سطح پر امرا (گورنرز) و عمال (آفیسرز) اپنے اپنے علاقوں کی مساجد میں یہی فرائض سرانجام دیتے تھے۔ پھر اموی دور آ گیا۔ فتوحات اور مال و دولت کی فراوانی کیساتھ ساتھ عوام سے دوری پیدا ہوئی۔ سیکیورٹی کے تقاضے بڑھے۔ پس محلات تعمیر ہوئے یا قبضے میں آ کر آباد ہوئے اور ہر سطح کے اولی الامر مساجد چھوڑ کر محلات میں منتقل ہو گئے۔ حکومت (Governance) محلات سے ہونی شروع ہو

گئی۔ شروع شروع میں خلفیہ اور گورنروں نے جمعہ کے روز، جیسا کہ ہماری وضعی(Fabricated)
تاریخیں ہمیں بتاتی ہیں، اجتماع صلوٰۃ (پبلک کا سامنا کرنے) کی روایت جزوی طور پر مصنوعی لیپاپوتی
کیلئے جاری رکھی۔ بعدازاں اس مسئلے کا حل کہ مساجد کا کیا کیا جائے، یہ دریافت فرمایا گیا کہ فرعونوں اور
قارونوں کے ساتھ ساتھ اقتدار کی تکون کے تیسرے خط کے طور پر اسلام میں بھی ہامانوں یعنی مذہبی
پیشوائیت کے علیحدہ شعبے کا اجراء کرلیا جائے اور مساجد اس طبقے کی صوابدید پر چھوڑ دی جائیں۔ وہاں وہ
عمل جاری کروادیا جائے جو عوام کو بیدار ہونے سے روکے رکھے اور توکل، صبر وقناعت کی تلقین اور اللہ
کی پرستش کے ذریعے خوابِ خرگوش میں محو کردے۔ پرستش کے عمل کی یہ مروجہ شکل یعنی نماز اپنے انہی
اوقات کے ساتھ ایرانی ایڈوائزرز کے آبائی مذہب میں موجود ہی تھی۔ سو مناسب سمجھا گیا کہ اسے ہی چند
قرآنی آیات اور چند غیر قرآنی انٹ شنٹ عربی کلمات (مثلاً التحیات کے نام پر معراج میں خدا سے نبی کا
فرضی مکالمہ، من گھڑت درودِ ابراہیمی) وغیرہ کے رٹّوں سے مزین کر کے مسلمانوں کی بنیادی عبادت کے
طور پر لاگو کر دیا جائے اور درس وتدریسِ قرآنی کو ختم کرنے کیلئے درس حدیث پر تمام زور لگایا جائے۔
تفہیم کا باب بند کرنے کیلئے حفظ وناظرہ کو رواج دیا جائے۔ بہت ہی معافی چاہوں گا کہ مندرجہ بالا چند
سطور تاریخی حقائق کی رو سے کئے ہوئے تجزیے اور استنباط پر مبنی ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ ہماری تاریخ
کو جدید سائنٹی تحقیق وتفتیش کے ذریعے درست کرنے کا بیڑا اٹھانے والے ہمارے جدید مسلم دانشور،
ابتدائی سو سال تحریری غیاب کے سبب، ابھی اپنی تصحیح کی کاروائیوں میں اس مرحلہ تک پہنچ نہیں پائے ہیں
کہ جہاں ایسا دستاویزی ثبوت مہیا ہوجائے جو ہمیں حتمی طور پر یہ بتا سکے کہ کس اموی یا عباسی خلیفہ کے
دور میں کن حالات میں کن مشیروں اور وزیروں کے ایما پر یہ عظیم ڈھونگ رچایا گیا۔ اور اسے بعدازاں
پوری مملکتِ اسلامیہ میں پھیلا دیا گیا۔ جیسا کہ حتمی تحریری ثبوت ہمیں حضرت حسینؓ کا اپنی شہادت کے
وقت گورنرِ عراق کے منصب پر فائز ہونے کا مل چکا ہے اور جیسا کہ حضرات عثمان غنیؓ وعلیؓ کی شہادت کا
کرائے کے یہودی وعجمی قاتلوں کے ذریعے کرایا جانا اور ان قاتلوں کے ناموں کے بارے میں مل چکا
ہے۔ نیز ائمہ اسماء الرجال کی کاوشوں کے طفیل جیسے ثبوت ہمیں روایات اور راویوں کے ابطال کے بارے
میں مل چکے ہیں۔ البتہ دو جمع دو چار کے اصول کے تحت تاریخی واقعات اسی نتیجہ کی طرف لے جاتے ہیں

جسکا ذکر ابھی کیا گیا۔ تمام زمینی حقائق بھی اسی فارمولے کی توثیق کرتے ہیں اور یہ چند مذکورہ سطور نماز کے بارے میں کب؟ کیوں؟ اور کیسے؟ کا جواب دیتی ہیں۔ اب مرحلہ درپیش آیا اس امپورٹڈ یا پلانٹڈ طریق نماز کو سند و جواز فراہم کرنے کا تو اس کیلئے وہی کار آزمودہ حربہ دستیاب تھا جو آمریت کے جواز کیلئے یا دیگر غیر قرآنی و غیر اخلاقی اعمال کیلئے سند کے طور پر پہلے ہی سے مستعمل تھا۔ یعنی حضورؐ سے روایتیں منسوب کرنی شروع کر دی گئیں۔ انہیں روایتوں کی رو سے نماز کے عمل کی تمام جسمانی حرکات اور اس کے دوران پڑھے جانے والے تمام کلمات اور اوقات اسلامائز کر کے انہیں سندِ جواز فراہم کر دیا گیا۔ اگر چہ ایک روایت سے دوسری روایت تک ان جزئیات میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں اور اسکے ذریعے حصول برکات و فیوض، گناہوں کی مغفرت اور اخروی نجات کی ان گنت حدیثیں بھی گھڑی گئیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مندرجہ بالا حرکات یا کلمات کا کہیں سے بھی قرآنی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی قرآن سے آدھی ادھوری تاویلات پیش کرنے کی کوششیں ہمارے فریب خوردہ بھائی بندا ب تک کرتے آرہے ہیں۔ جن سے کوئی بھی حتمی نتائج نکالے نہیں جا سکتے۔

یہ نماز روایتوں کے ذریعے شب معراج میں فرض کی گئی تصور کی جاتی ہے۔ یعنی یہ تسلیم بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن سے اس کی جزئیات نہیں ملتیں۔ شب معراج کا زمانہ ہجرت سے ایک دو سال قبل کا مانا جاتا ہے۔ تو اس سے قبل کے گیارہ بارہ سالہ دورِ نبوت میں جبکہ نزولِ وحی کا سلسلہ جاری رہا، قرآنِ حکیم میں دیئے گئے صلوٰۃ کے احکامات پر عمل کن معانی میں ہوتا رہا؟ کوئی روایتی صاحب علم آج تک اس سوال کا تسلی بخش جواب فراہم نہ کر سکے۔ اس لئے کہ اگر وہ اس قرآنی حقیقت کا اعلان فرما دیتے کہ اس 12 سالہ قبل معراج کے دورِ نبوت میں حضور رسالتمابؐ صلوٰۃ کے حکم کی رو سے اسی تاریخی سنتِ انبیاء و رسل پر عمل فرماتے رہے جو تدریس، نفاذ و پیروی احکام الٰہی سے عبارت ہے تو پھر ان کے اس انتہائی پسندیدہ عمل پرستش یعنی نماز کا مکمل و اطمینان بخش بطلان ہو چکا ہوتا۔

آیئے اب ایک نظر ان ماخذات پر بھی ڈال لی جائے جہاں سے ہم نماز اور اس کی تفصیلات (بمعہ فضائل وغیرہ) لیتے ہیں۔ سب سے پہلے تفسیرِ ابن عباس۔ یہ اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی تفسیر اور تمام تفسیروں کی ماخذ ہے۔ اسکے وضاع (Fabricator) کا نام بدنامِ زمانہ محمد بن

السائب کلبی ہے۔ ابوالنفر اس کی کنیت ہے۔ بنو کلب خاندان سے تعلق رکھتا ہے کوفہ کا باشندہ ہے جہاں امام مالک کے قول کے مطابق حدیثیں گھڑنے کی ٹکسالیں گھر گھر قائم تھیں۔ ماہر انساب، مفسر اور مورخ ہے۔ امام شعبی وغیرہ سے روایات نقل کرتا ہے متقدمین میں یہ تفسیر کلبی کے نام سے مشہور تھی۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے یہ تمام تفسیر ابو صالح سے سنی ہے۔ (یعنی وہی سنی سنائی)۔ اور ابو صالح نے حضرت عبداللہ بن عباس سے (حالانکہ ابو صالح نے ابن عباس کو دیکھا تک نہیں) اسی لئے یہ دو ناموں سے مشہور ہوئی۔ یعنی تفسیر ابنِ عباس اور تفسیر کلبی۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ یہ منکر احادیث پیش کرتا ہے اور خاص طور پر جب یہ کلبی ابو صالح کے واسطے سے کچھ روایت کرے تو وہ یقیناً منکر ہوتی ہے (گویا پوری تفسیر ابن عباس منکر ہے)۔ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ کلبی خود کہا کرتا تھا کہ مجھ سے ابو صالح نے ایک بار بطور نصیحت یہ بات فرمائی تھی کہ اے کلبی تُو نے ابن عباس کی جتنی روایات مجھ سے سنی ہیں انہیں کسی سے بیان نہ کرنا۔ پھر بھی اس بے حیاء نے سب کچھ بیان کر دیا اور پوری ایک کتاب لکھ ڈالی۔ ابو معاویہ کہتے ہیں میں نے کلبی کو یہ کہتے سنا ہے کہ جتنی جلد میں نے قرآن حفظ کیا ہے اتنی جلد کسی نے قرآن حفظ نہیں کیا۔ میں نے صرف چھ یا سات دن میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور جس طرح مجھے بھول واقع ہوئی ہے ایسی بھول کسی کو واقع نہیں ہوئی ہوگی۔ وہ اس طرح کہ میں نے اپنی داڑھی مٹھی میں لی تا کہ داڑھی نیچے سے کاٹ کر برابر کروں اور اوپر سے کاٹ دی۔ امام یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ مجھ سے خود کلبی نے یہ بیان کیا کہ میں نے جس شے کو ایک بار یاد کر لیا۔ کبھی نہیں بھولا لیکن ایک بار میں نے حجام کو بلوایا اور اپنی داڑھی برابر کرانیکے لئے مٹھی میں لی اور بجائے نیچے سے کٹوانے کے اوپر سے کٹوا لی۔ (یعنی ایک بار خود کاٹی اور ایک بار حجام سے کٹوائی)۔ یعلی بن عبید کہتے ہیں کہ امام سفیان ثوریؒ نے لوگوں سے فرمایا اے لوگو اس کلبی کی روایتوں سے بچو۔ کسی نے ان سے عرض کیا آپ بھی تو اس کی روایات نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں تو اس کے سچ اور جھوٹ کو پہچانتا ہوں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمٰن مہدی نے اس کی روایت ترک کی ہے۔ یعلی کا بیان ہے کہ میں اس کلبی سے قرآن پڑھنے جایا کرتا تھا۔ ایک دن بولا کہ میں ایک دفعہ شدید بیمار ہوا اور اس بیماری کے باعث سب کچھ بھول گیا۔ میں آلِ محمد کی خدمت میں گیا انہوں نے میرے منہ میں تھوکا تو مجھے سب کچھ بھولا ہوا یاد آ گیا۔

نا معلوم آل محمد میں سے کتنے افراد سے اس نے اپنے منہ میں تھکوایا ہوگا۔ یزید بن دریع فرماتے ہیں یہ کلبی سبائی تھا۔ امام اعمش کوفی کا قول ہے۔ اے لوگو سبائیوں سے بچو، کیونکہ جن علماء کو میں نے دیکھا ہے وہ ان سبائیوں کو کذاب کہا کرتے تھے۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ یہ کلبی سبائیوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو اس امر کا مدعی تھا کہ حضرت علی کی موت واقع نہیں ہوئی وہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور دنیا کو عدل سے اسی طرح بھر دیں گے جیسے وہ ظلم سے بھری ہوگی۔ یہ لوگ جب بھی بادل کا کوئی ٹکڑا دیکھتے تو کہتے کہ امیر المومنین اس میں تشریف لا رہے ہیں (فرقہ رجعیہ)۔ ابو عوانہ کہتے ہیں کہ میں نے خود کلبی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبرائیل نبی کریمؐ پر وحی لے کر آتے۔ لیکن جب حضور بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو وہ حضرت علی پر وحی شروع کر دیتے۔ (یعنی وہ چالیس پاروں کا قرآن اسی فریب کاری کا نتیجہ ہے جب ہی تو آج تک وہ غائب ہے)۔ احمد بن زہیر کا قول ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ کلبی کی تفسیر کا مطالعہ کرنا کیا حلال ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ اس کلبی کو جب بھی جھوٹ بولنا ہوتا ہے تو ابو صالح کو قبر سے باہر نکال لاتا ہے۔ موجودہ تفسیر ابن عباس اسکے جھوٹ کا ایک شاخسانہ ہے۔ امام یحیٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا گیا کہ عراق میں ایک کتاب ایسی ہے جسے دفن کر دینا چاہیے۔ وہ تفسیر ابن عباس یعنی تفسیر کلبی ہے۔ قارئین یہ ہے انتہائی افسوس ناک اور مضحکہ خیز حقیقت ہمارے دو سب سے پہلے ماخذوں میں سے ایک کی۔ اور یہ بھی لگ بھگ ایک صدی سے زیادہ مدت کے مکمل تحریری غیاب کے بعد لکھی گئی اور یہ کیفیت ہے عمل نماز کے تواتر و تسلسل کے ثبوت کی لیکن حیرت اور افسوس کا مقام کہ شاید ہی کوئی تفسیر ایسی ہو جس میں اس کی بکواسات کو بطور دلیل پیش نہ کیا گیا ہو۔

اب تفسیر کے بعد تاریخ و سیرت کے اولین ماخذ کی کیفیت بھی دیکھے لیتے ہیں۔

یہ کتاب مغازی محمد بن اسحاق (م 151ھ) کہلاتی ہے۔ کہا جاتا تھا کہ یہ ابتداہی میں ناپید ہوگئی تھی لیکن مرحوم ڈاکٹر حمید اللہ نے پیرس سے اطلاع دی کہ ابن اسحاق کا نسخہ مل گیا ہے۔ جناب محمد طفیل نے اپنے رسالہ نقوش لاہور کے رسول نمبر کی گیارہویں جلد میں اسے اردو کا جامہ پہنا کر شائع کر دیا۔ (علامہ حافظ حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی۔ مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت۔ جلد اول) لیکن ابن ہشام نے اسی کتاب کو نئی ترتیب و تزئینِ کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس کا موجودہ نام سیرت ابن

ہشام ہے۔ محمد بن اسحاق مجوسی النسل تھا۔ یہودیوں سے روایات لیتا۔ شاعروں سے اشعار لکھوا کر صحابہ کی جانب منسوب کرتا تھا۔ تقدیر کا منکر اور شیعہ تھا۔ ہشام بن عروہ اور امام مالک وغیرہ اسے کذاب کہتے ہیں۔ اس سے اس کتاب کو نقل کرنے والے دو شخص ہیں۔ سلمۃ الابرش (م ۱۹۱ھ) اور زیاد بکائی اور دونوں مجوسی اور کذاب ہیں۔ ابنِ ہشام نے ابن اسحٰق کی کتاب زیاد البکائی سے نقل کی ہے۔ سلمۃ الابرش سے نقل کرنے والا الاحمید الرازی (م ۲۴۰ھ) ہے۔ اسی سے طبریؔ (م 310ھ) نے روایات لی ہیں۔ یہ سب مجوسی ہیں اور سبائی ذہن کے مالک تھے۔

اولین قلم اٹھانے والوں میں سے دوسرا مشہور مورخ واقدی (130-207ھ) جو محدثین کے نزدیک کذاب زمانہ ہے اور کٹر رافضی ہے۔ یہی حال ابی مخنف لوط بن یحییٰ، سدی، اسمٰعیل بن موسی الفزاری اور سری بن اسمٰعیل کا ہے۔ یہ سب خالص سبائی ہیں۔ ان کے بعد آنے والے جتنے مورخین ہیں خواہ وہ سنی ہوں یا سبائی، سب کا دارومدار ان ہی مذکورہ افراد کی کتابوں یا روایتوں پر موقوف ہے۔ مثلاً ابن سعد اگرچہ سنی ہیں لیکن ان کی کتاب میں ستر فیصد روایات تو واقدی کذاب سے مروی ہیں۔ بلاذریؔ کی کتابیں ان سب کی روایات کا مجموعہ ہیں۔ ان سبائی اور مجوسی مورخین نے جو جو ہرزہ سرائیاں کی تھیں۔ حق کو باطل اور باطل کو حق بنایا تھا انہیں ابن جریر طبری مجوسی نے اپنی ام التفاسیر اور ام التواریخ میں نہ صرف جمع کیا بلکہ مزید اضافات بھی کیے۔ بعد کے تمام سنی علماء کی کتابیں انہی کتابوں کا چربہ ہیں۔ ابن خلدون بھی طبری واقدی اور ابنِ اسحاق سے باہر نہ جاسکے۔

یہ ہے ہماری تاریخ اور سیرت کا حال۔ ایسے ہی ماہر فن کلاکاروں نے نماز ایجاد کی اور ان ہی کے تواتر وتعامل سے یہ ہم تک پہنچی۔ قرآن کی رو سے نہ ایسا کوئی عمل نہ ہی اس کی جزئیات ثابت ہیں اس لئے رسالتمآبؐ ایسی کوئی نماز پڑھیں یا پڑھائیں یہ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ ”ان اتبع الا ما یوحیٰ الی (6/50)“میں کسی چیز کا اتباع نہیں کرتا سوائے اس وحی کے جو مجھ پر آتی ہے” اور اوحی الی ہذا القرآن“۔ مجھ پر قرآن (ہی) وحی ہوا ہے۔ کے واضح ارشادات قرآن میں موجود ہیں۔ قرآن کے علاوہ کوئی بھی احکام وحی یا الہام کے ذریعے نازل ہونے کی کوئی قرآنی سند موجود نہیں ہے۔

اب اس محمد ابن اسحاقؔ کے بارے میں کچھ اور بھی ملاحظہ فرمالیں۔

یہ رئیس المورخین تسلیم کیا جاتا ہے اور اسلام کی تاریخ پر سب سے اول اسی نے کتاب لکھی جو المغازی کے نام سے مشہور ہوئی۔ مورخین کے نزدیک اس کا قول حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ کتب احادیث میں بھی اس کی روایات پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے محدثین اور ماہرین رجال نے اس پر خوب کلام کیا ہے اور اس کی ذات کے بارے میں یہ رائے بھی ہے کہ تاریخ اور حدیث دونوں کے معاملے میں ناقابلِ قبول ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں۔ محمد بن اسحاق کے دادا کا نام یسار ہے۔ یہ عین التمر کی جنگ میں قید ہو کر آیا تھا اور قیس بن مخرمہ بن عبدالمطلب بن عبدمناف کی غلامی میں دیا گیا تھا۔ کیونکہ محمد بن اسحٰق اور اسکے باپ دادا کے مالک مدینہ میں رہتے تھے۔ اس لئے یہ مدنی کہلاتا تھا۔ اس نے صحابہ میں سے حضرت انس المتوفی ۹۳ھ کو دیکھا ہے۔ خداش کا بیان ہے کہ میں نے امام الرجال یحیٰی بن سعید القطان کو کہتے سنا ہے کہ انہوں نے عبیداللہ القواریری سے دریافت کیا تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا وہب بن جریر کے پاس تاکہ ان سے سن کر سیرت لکھوں۔ امام یحیٰی نے فرمایا پھر تو تو بے پناہ جھوٹ لکھے گا۔ (یعنی سیرت جھوٹ سے پاک نہیں ہو سکتی) یا کیونکہ وہب بن جریر نے سیرت کی روایات محمد بن اسحاق سے نقل کی ہیں لہذا امام یحیٰی ان تمام روایات کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ابن اسحاق کی حدیث اچھی ہے لیکن یحیٰی بن معین (م 238ھ) فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ ثقہ ہے لیکن اسکی حدیث اچھی نہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں۔ یہ قوی نہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں۔ شعبہ نے کہا یہ حدیث میں مسلمانوں کا امیر ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ قدری بھی اور معتزلی بھی ہے یہ نسلاً مجوسی تھا۔ ہشام بن عروہ اور امام مالک (م 170ھ) اسے کذاب کہتے تھے۔ ابن ابی فدیک کا بیان ہے کہ میں نے خود اسے یہودیوں سے روایات لکھتے دیکھا ہے۔ ابن عدیؔ لکھتے ہیں کہ یہ مرغ لڑایا کرتا تھا۔ امام یحیٰی بن سعید القطان کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔ ایک دلچسپ واقعہ بیان کرنے کے بعد یہ طویل داستان ختم کرتے ہیں۔ دراوردی کا بیان ہے کہ ہم ابن اسحاق کی مجلس میں اس سے علم حاصل کر رہے تھے اچانک وہ اونگھنے لگا جب نیند دور ہوئی تو کہنے لگا کہ میں نے ابھی خواب دیکھا ہے کہ ایک انسان مسجد میں داخل ہوا۔ اس کے پاس ایک رسی ہے اس نے وہ رسی ایک گدھے کے گلے میں ڈالی جو مسجد میں گھس آیا تھا پھر اسے گھسیٹ کر باہر لے گیا۔ ابھی کچھ وقفہ نہ گذرا تھا

کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ اسکے پاس ایک رسی تھی اس نے وہ رسی ابن اسحٰق کے گلے میں ڈالی اور باہر گھسیٹتا ہوا لے گیا اور امیر کے سامنے پیش کیا اور قدری ہونے کے باعث اس کے کوڑے لگائے گئے اور آخر میں مکی بن ابراہیم کی زبانی ابن اسحاق کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس کسی کو بھیجا کہ کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا۔ انہوں نے جواب دیا ہاں۔ اللہ تعالیٰ ایک کرسی پر بیٹھا تھا جو سونے کی بنی ہوئی تھی۔ جسے چار فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک فرشتہ انسانی صورت کا تھا۔ ایک شیر کی صورت کا ایک بیل کی اور ایک گدھ کی۔ اللہ تعالیٰ سبز رنگ کے خیمہ میں بیٹھا تھا۔ اس کے اردگرد سونے کی ٹڈیاں تھیں۔

قارئین کرام۔ پڑھیئے اور سر دُھنیئے اپنی تاریخ کے مشاہیر عظام کے کرداروں پر اور ماتم کیجئے کہ ان کرداروں کی بے پر کی اڑائی ہوئی ہوائیاں ہم سب کیلئے اندھی تقلید کا درجہ رکھتی ہیں۔

قارئین کچھ ذکر و تحقیق واقعہ معراج کی بھی کر لیتے ہیں۔ جو متفقہ طور پر نماز کے حکم اور وجوب کا ماخذ کہلاتا ہے۔ یہ ۱۰ نبوی یا ۱۱ نبوی یعنی ہجرت سے قبل کا واقعہ کہا جاتا ہے۔ پہلی کہانی یہی ہے کہ حضور اکرم کو معراج ام ہانی کے گھر سے ہوئی۔ سید سلیمانؔ ندوی کی تحقیق ملاحظہ فرمالیجئے۔ ”بعض نیچے درجہ کی روایتوں اور تاریخ کی کتابوں میں ام ہانی کا بیان ہے کہ آنحضرت کو میرے گھر میں معراج ہوئی۔ ام ہانی کا گھر شعب ابی طالب میں تھا۔ یہ روایت مشہور دروغ گو کلبی کی ہے اس روایت میں حد درجہ لغو اور غریب اور منکر باتیں مذکور ہیں“۔ مسند ابی یعلیٰ میں ام ہانی سے روایت ہے کہ آنحضرت عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ میرے مکان میں سوئے۔ شب کو میری آنکھ کھلی تو آپ کو نہ پایا۔ صبح اٹھ کر آنحضرتؐ نے معراج کا واقعہ بیان کیا وغیرہ وغیرہ۔ ان روایتوں میں علاوہ اور لغویات کے عشاء اور صبح کی نماز و جماعت کی بات بالکل غلط ہے۔ یہ نماز پنجگانہ تو عین معراج میں فرض ہوئی تو پہلے سے کس ہدایت کے تحت پڑھی گئی۔ اور اگر پہلے ہی پڑھی جاتی تھی تو پھر معراج کا واقعہ غلط ثابت ہوا۔ ایک اور کہانی ابوہریرہ سے منسوب کی گئی ہے حالانکہ ابوہریرہ 7ھ میں اسلام لائے اور ان کا مکہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ سید سلیمانؔ ندویؔ نے اس روایت کو اس قابل بھی تصور نہ کیا کہ اس پر کھل کر تبصرہ فرماتے۔ اس کی ضرورت بھی اس لئے نہ تھی کہ اس کا واضع مفسر و مورخ کلبی ہے جو تفسیر ابن عباسؔ کا واضع ہے۔

فرماتے ہیں ''یہ تمام قصے سراپا لغو اور باطل ہیں۔ ابن اسحاق اور ابن سعد نے تو سرے سے ان واقعات کے اسناد نہیں لکھے۔ لیکن ابن جریر طبریؒ، بیہقیؒ، ابن ابی حاتمؒ، ابو یعلیٰ، ابن عساکرؒ نے ان کی سندیں ذکر کی ہیں۔ ان کے رواۃ ابو جعفر رازیؒ، ابو ہارون عبدیؒ اور خالد بن یزید ابی مالکؒ ہیں جن میں سے ابو جعفر رازی گو بجائے خود ثقہ ہیں مگر بے سروپا روایتوں کے بیان کرنے میں بے باک ہیں۔ بقیہ دو مشہور کذاب اور دروغ گو ہیں۔

معراج کے بارے میں وہی محمد بن اسحاقؒ بھی روایت کرتا ہے جس کا تفصیلی احوال آپ ابھی ائمہ رجال کی کتابوں سے اقتباس کی شکل میں پڑھ چکے ہیں۔ طبریؒ نے اسی قسم کی ایک روایت حضرت عائشہؓ کی جانب بھی منسوب کی ہے جس کے مطابق حضور کا جسم غائب نہیں ہوا تھا بلکہ معراج روحانی تھی۔ یہاں بھی یہی شخص محمد بن اسحاقؒ سندوں کے سلسلے میں نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے اور حضرت عائشہ کے درمیان کی ایک سند یعنی ایک راوی یعنی خاندانِ ابی بکر کے ایک شخص کا نام ونشان مذکور نہیں ہے۔ اس لئے یہ روایت بھی پایہ صحت سے فروتر ہے۔ مزید برآں راویوں کے سلسلے میں بدنام زمانہ کذاب شامل ہیں۔ گویا ''جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دے رہے ہیں''۔ نماز کا تمام دارومدار واقعہ معراج پر ہی تو تھا۔ وہی کذب بیانی کا مرقع قرار دیا جا چکا ہے تو اس نماز کی جڑ بنیاد ہی اکھڑی ہوئی ہے۔

ایک مشہور عام حدیث ہے ''الصلوٰۃ عماد الدین'' نماز دین کا ستون ہے۔ یہ حدیث جو عوام و خواص کی زبان پر جاری ہے۔ جتنی مشہور ہے اس سے کہیں زیادہ بے اعتبار ہے۔ قطع نظر اس حقیقت کے کہ صلوٰۃ کا قرآنی اور لغوی معنی نماز ثابت نہیں ہے۔ ملاّ علی قاری لکھتے ہیں ''حافظ ابن الصلاحؒ'' نے ''مشکل الوسیط'' میں تحریر کیا ہے یہ روایت غیر معروف ہے۔ اس کا اتہ پتہ کچھ معلوم نہیں۔ امام نوویؒ ''تنقیح'' میں لکھتے ہیں یہ روایت منکر ہے باطل ہے۔ لیکن دیلمی نے اسے حضرت علیؓ کی جانب منسوب کیا ہے۔ جیسا کہ سیوطی نے ذکر کیا ہے اور بیہقیؒ نے ''شعب الایمان'' میں اسے حضرت عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ موضوعات کبیر صفحہ 79۔ علامہ محمد طاہرؒ پٹنی لکھتے ہیں۔ مختصر میں ہے کہ یہ روایت ''نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز چھوڑی اس نے دین کے ستون کو گرایا''۔ اسے بیہقیؒ نے روایت کیا ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔ تذکرہ الموضوعات۔ صفحہ 38

قارئین روایات کی خرافات کا ابطال کرنے کی جدید دور میں جو گرانقدر کوششیں کی گئی ہیں ان کے ضمن میں دو بڑے ناموں کا یہاں تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔ علامہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت'' کی چار جلدوں میں جس طرح روایتوں کے ذریعے ہم تک پہنچی ہوئی سینکڑوں حکایات کی (مجروح / مضطرب / مغضوب / مرسل / مدلس / خبرِ واحد / غیر ثقہ وغیرہ ثابت کر کے) زجر و توبیخ کی اور تمام تر پیشہ ور راویوں کو جس طرح مجوسی / رافضی / آگ لگانے والا شیعہ / کذاب / متروک الحدیث / خبطی / پاگل / سبائی ایجنٹ وغیرہ ثابت کیا اسکے بعد تو قرآن کے علاوہ کسی بھی انسانی تصنیف کو یقینیاتِ دینی اور ماخذِ ہدایت بنا لینے کا مسلمان کیلئے ہرگز کوئی جواز نہیں رہتا۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ علامہ موصوف آخری سند و حجت نہیں ہیں تو یہ عرض کیا جائے گا کہ ان کی تحریریں طبع زاد نہیں ہیں بلکہ تمام تر ائمہ سلف کی تحقیق و جستجو کے اجتماعی نتائج کی حامل ہیں۔ خاص طور پر ائمہ رجال اور جرح و تعدیل کی کاوشوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ علامہ صاحب کی مذکورہ کتابیں ہمیں کئی سو قدیمی بھاری جلدوں میں مدتوں عرق ریزی کرنے کی زحمت سے محفوظ کرتی ہیں۔ رجعت الی القرآن ہی ان کتابوں کا پیغام ہے۔ خدا مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے۔ غالباً علامہ صاحب کیونکہ نماز کو بزرگوں کی تقلید میں عین عبادت باور کرتے ہوئے فرض عین کی صورت ادا فرماتے رہے اور اس موضوع پر راویوں کی جرح و تعدیل کی طرف جناب کی افتادِ طبع نے رخ ہی نہ کیا اس لئے اس مدعے کی چیر پھاڑ نہ کر پائے۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کے دور تک علم و شعور کے ارتقاء پر مبنی دلیری اظہار کی وہ سطح ابھی نہ آپائی تھی کہ نماز جیسے مضبوطی سے قائم شدہ ادارے کو چھیڑنے کی سوچ بھی پیدا ہوتی۔ پھر بھی ''نماز دین کا ستون ہے'' کی روایات پر اور نماز کے ماخذ واقع معراج پر جناب کا تحقیق و تبصرہ آپ ابھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس احقر کو یقین ہے کہ علامہ صدیقی صاحب اگر اس موضوع کی جانب اپنا رخِ تفتیش و تحقیق موڑ پاتے تو اپنے کمالِ فن سے اس مروجہ نماز اور نماز کے ادارے کے بخیے ادھیڑ دیتے کیونکہ نہ ہی یہ عمل پہلی ڈیڑھ صدی میں اپنا تواتر ثابت کرتا ہے نہ ہی اس کے راویان مندرجہ بالا بیان کردہ کمزوریوں سے بری ثابت ہوتے۔ لغوی معنی کی حیثیت سے یا تصریف الآیات کے قرآنی اصول کو بروئے کار لاتے ہوئے تو صلوٰۃ کا ویسے بھی نماز یا اسکے مترادف ہونا ثابت ہے ہی نہیں اور نماز کی تمام تر

عمارت ہوا میں کھڑی نظر آتی ہے۔ نتائج کے اعتبار سے بھی یہ عمل صدیوں سے سعی بلا حاصل کا درجہ رکھتا ہے اور یہ حقیقت زمینی حقائق کی رو سے اظہر من الشمس ہے۔ یعنی مسلمانوں کا مسلسل ارتقائے معکوس اس کے علی الرغم کہ آج لگ بھگ ایک ارب نمازی موجود ہے۔

حضرت جامع العلوم محدث العصر علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی بھی ان محترم المقام شخصیات میں شامل ہیں جنہوں نے عہد گذشتہ کی بھاری بھاری کتابوں کی تحقیق و مطالعہ میں عمر گزاری اور ہمیں اس دقیق مطالعے کی زحمت سے بچانے کا کارِ خیر انجام دیا۔ ہماری سہولت کیلئے مختلف قرآنی موضوعات پر چھوٹی چھوٹی آسان کتابیں چھوڑ گئے جو اسلاف کی تحریر کردہ ضخیم جلدوں کا کارآمد خلاصہ اور نچوڑ باور کی جا سکتی ہیں۔ بلاشبہ علامہ صاحب بھی رجعت الی القرآن کے داعیوں میں بلند مقام پر فائز تھے خدا جزائے خیر دے۔ البتہ علامہ تمنا عمادی معروف قرآنی سکالر علامہ پرویز صاحب کی ''لغات القرآن'' پر تنقید کرتے ہوئے اسلامی اصطلاحات کا مفہوم لغات سے متعین کرنے کی کوششوں کی مخالفت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصطلاحات کا صحیح مفہوم وہی ہے جو تعامل کے ذریعے عہدِ نبوی سے آج تک منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ (نماز بھی اسی زمرے میں داخل ہے کیونکہ تعامل اور تواتر سے ہی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے)۔ فرماتے ہیں یہی نقطہ نظر علامہ فراہی اور خود پرویز صاحب کے استاد مولانا اسلم جیراج پوری کا بھی ہے۔ حضرت محترم نے بجا ارشاد فرمایا۔ لیکن اس نقطہ نظر پر کئی ایسے اعتراضات وارد ہوتے ہیں جنکا جواب دینا غالباً ممکن نہ ہوگا۔ اوّلاً عہد نبوی سے آج تک کے تعامل کی منتقلی کا سلسلہ سو سال سے زیادہ کا تحریری غیاب اپنے اندر موجود رکھتا ہے۔ یعنی رحلت نبوی کے بعد کی پوری صدی جس کے دوران لکھا گیا کوئی مواد از قبیل سیرت، تاریخ، تفسیر ہمارے پاس موجود نہیں جو اس تعامل کا دستاویزی ثبوت مہیا کر سکے۔ نیز اس غائب صدی کے بعد کے لکھنے والوں کا بدنیت، یہودی دوست، مجوسی، رافضی، سبائی، کذاب وغیرہ ثابت ہو جانا اس انتقالِ ورثہ نبوی کا مشکوک، ظنی، مفروضہ اور جانبدار ہونا ثابت کرتا ہے۔ اس طرح ہوتا یہ ہے کہ جب ہم اپنی رہنمائی کیلئے تعامل عہد نبوی کی طرف دیکھتے ہیں تو بجائے اصل چیز کے ہمیں پیروی دراصل انہی منفی کرداروں کی تحریروں کی کرنی پڑتی ہے۔ خود علامہ عمادی نے اپنی تصنیفات میں ان لوگوں کی روایات کی زبردست نفی کی ہے بشمول صحیح بخاری کی روایات کے، جیسا کہ اوپر

عرض کیا گیا۔ ثانیاً تعامل کوئی منجمد شئے نہیں ہے کہ 1500 سال قبل کا تعامل جوں کا توں آج بھی اسی طرزِ کہن پر قائم رکھا جائے۔ عہد نبوی میں احکامات پر تعامل اس دور کے معاشرتی تقاضوں اور میسر سہولیاتِ زندگی کے مطابق تھا۔ آج 1500 سال بعد اس تعامل کو اسی قدیمی طریق کار پر قائم رکھنا غالباً پوری امت کو ازمنہءِ وسطیٰ میں دھکیل کر دقیانوسیت کا شکار کر کے، وقت کے ارتقاء کے ثمرات سے محروم کر دینا ہوگا۔ احکامِ دیں تو برحق ہیں اور قائم رہیں گے لیکن تعامل یعنی عملی طریق کار آج کے تقاضوں اور میسر سہولیات کے مطابق ہونا ہی قرینِ عقل ہوگا۔ پس جس بھی عمل پر سنتِ نبوی کا لیبل لگا کر آج بھی ڈیڑھ ہزار سال قبل کی طرز قدیم پر ادائیگی کا مکلّف ٹھہرایا جائے گا وہ مسلماں کو زمانہ قدیم کی کم علمی، سست رفتاری، بے بسی اور بے بضاعتی میں دھکیل دینے کی سازش کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ قدیم طرز تعامل آج کے دور میں بجز تضحیک کا نشانہ بننے کے اور کوئی خوبی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ زندگی کے انداز بدلنے کے ساتھ ساتھ تعامل کے طریق بھی لازماً بدل جاتے ہیں۔ ثالثاً کسی بھی زبان کے درست فہم کیلئے ہم اصولی اور بنیادی طور پر اس زبان کی مستند لغات ہی سے راہنمائی لینے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟ لغات جیسی زبان کی بنیاد کو کیسے اور کس دلیل سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ وہ تعامل جو لغوی معانی سے مطابقت نہ رکھتا پایا جائے وہ ضرور امتدادِ زمانہ سے (اور کئی مختلف وجوہات سے) اپنی اصل شکل سے ضرور ہٹ چکا ہوگا۔ رابعاً لغوی معانی کی بجائے تعامل سے تفہیم احکام کرنے کیلئے کوئی قرآنی سند ہمارے سامنے نہیں ہے۔ رسول اللہ کی ذات میں اسوہ حسنہ موجود ہونے کی نصیحت ضرور کی گئی ہے لیکن وہ رسول اللہ کے عظیم مشن اور اس کیلئے آنجناب کا جذبہ قربانی، اخلاقیات و اصول و کردار کی پیروی کی طرف اشارہ ہے نا کہ آپ اس کے معنی میں آنجناب کی اس دور کے تقاضوں کے تحت گذاری خانگی و عائلی زندگی کی حرکات و سکنات پر غور کرنا شروع کر دیں۔ بلکہ قرآن تو عربی مبین (یعنی عربی زبان دانی کے مروجہ اصولوں) اور تصریف الآیات کے اسلوب کے تحت احکام کی تفہیم و تفقہ کا حکم دیتا نظر آتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اس معاملے میں علامہ پرویزؒ کا موقف، علامہ فراہیؒ، علامہ جیراج پوری اور خود علامہ عمادیؒ کے عقیدتوں سے متاثر موقف سے زیادہ شعوری، منطقی اور اصولی معلوم ہوتا ہے۔

قارئین اپنی اپنی رائے رکھنے اور اپنے فیصلوں کے ضمن میں بالکل آزاد ہیں۔ یہ چند سطور

تحقیق کے ضمن میں اس مقصد سے قارئین کی پیش خدمت کی گئیں کہ ہمارے نماز اور صلوٰۃ کے اصل موضوع پر شرح صدر کیلئے ذہنی سوچ اور فکری خطوط کی کچھ تربیت بزرگوں کے علم کے حوالے سے فراہم کی جائے اور ان نکات پر حجت میں مدد کرنے کیلئے تعامل تسلسل وتواتر کی حقیقت واشگاف کر دی جائے۔ یہاں ایک اقتباس بھی تواتر کے موضوع پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے پیش خدمت ہے:۔

’’مسلمانوں کیلئے وہ عمل دینی ہوگا جو آنحضرت سے امت میں نسلاً بعد نسلاً آج تک متواتر چلا آتا ہو بشرطیکہ اس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے۔۔۔ آج مسلمانوں میں بہت سے اعمال جنکی تعداد کم نہیں ہے دین کے نام سے جاری ہیں حالانکہ ان کا حکم قرآن میں نہیں ہے، ان کو دین سمجھنا افراط ہے‘‘۔ مولانا ابو الکلام آزاد (تواتر مطبوعہ بلاغ۔ مئی 1937) اوپر بیان کردہ اصول نماز پر بھی منطبق ہوتا ہے کہ اس عمل پرستش کے احکامات وجزیات قرآن میں کہیں بھی نہیں ملتے۔

اور اب قارئین وضو کے ضمن میں دو عدد ترجمے جیسا کہ تحقیق کے ابتدا میں وعدہ کیا گیا۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر 6، یاایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلو وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحو بروسکم و ارجلکم الی الکعبین ط وان کنتم جنباً فاطہروط

1۔ روایتی ترجمہ: اے اہل ایمان جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہوتو اپنے منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور سر کا مسح کرلیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھولیا کرو اور اگر ناپاک ہوتو طہارت کرلیا کرو۔

2۔ حقیقی علمی ولغوی ترجمہ: اے اہل ایمان جب تم نفاذ واتباع احکام خداوندی کے نصب العین کو لے کر اٹھ کھڑے ہوتو اپنی توجہات یعنی اپنی سوچ وفکر اور اپنے وسائل وذرائع کو ہر قسم کی غلط نگہی سے پاک کرو تا آنکہ وہ مرافق بن جائیں یعنی تمہارے ایسے ساتھی جیسے یک جاں و دو قالب۔ (مرافق مرفق کی جمع ہے۔ مادہ ’’ر ف ق‘‘ اسی سے رفیق بھی ہے جس کے معنی ایسا ساتھی جو ایسا ساتھ جڑا ہو جیسے یک جان و دو قالب۔ مرفق کہنی کو بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ ہاتھ کے اوپر والے حصہ کو نیچے والے کیساتھ پیوست کئے رکھتی ہے۔) اور اپنے بڑوں اور چھوٹوں کا جائزہ لیکر ان کی ذہنی نشوونما کرو انتہائی شرفِ ومجد کے درجے تک (امسحو۔ جائزہ لینا۔ Survey کرنا۔ مسیحائی یعنی کمیاں دور کرکے ذہنی نشوونما کرنا۔ شفا دینا) اگر تم اس فلسفہ حیات کے معاملے میں اجنبی تھے (یعنی ایمان لانے سے پہلے والی حالت تھی) تو پہلے قلب و

ذہن کی تطہیر کا عمل کرو تا کہ غلط عقائد و خیالات سے پاک صاف ہو جاؤ۔

دونوں ترجمے پیشِ خدمت کر دیئے گئے۔ پہلا ترجمہ انتہائی عامیانہ اور معنوی گہرائی اور مقصدیت سے عاری ہے۔ صلوٰۃ کے حقیقی لغوی مطلب کی نفی کرتا ہے۔ کیا واقعی عرب قوم تمدنی طور پر اتنی پست تھی کہ ہاتھ منہ اور پیر دھونے کی تمیز بھی نہ رکھتی تھی اور گندی رہتی تھی؟ اس لئے ان کاموں کی ہدایت بھی تمام باریکیوں کے ساتھ آسمانوں پر سے نازل کرنے کی حاجت محسوس کی گئی؟ دوسری طرف ہم سردارانِ قریش کے محلات، ہر قسم کے رزق اور سامانِ تعیش کی فراوانی اور لونڈی غلاموں کی بہم رسانی کا ذکر پڑھتے ہیں۔ تجارتی قافلوں کا تمام سال آنا جانا اور رزق کی فراوانی کا ثبوت قرآن کی سورۃ قریش بھی فراہم کرتی ہے۔ ''لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ؀ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ؀ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ؀ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۵ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ؀

دوسرا ترجمہ قرآنِ حکیم اور اس کے نازل کرنے والے کی بلند پایہ اور لائق ہزار احترام ہستی کے شایان شان ہے۔ ایک انقلابی فلسفہ حیات کو کفر و شرک، ظلم و جبر کے اندھیروں میں لے کر اٹھنے والوں کیلئے دور رس اور مشعل راہ ہدایات کا حامل ہے۔ بلند و بالا مقاصد، گہرائی اور معنویت اور قلب و نظر کی پاکیزگی کی تلقین کرتا ہے۔ لغاتِ عربیہ سے مکمل مطابقت رکھتا ہے تصریف الآیات سے تفہیم حاصل کرنے کے اصول کی پیروی کرتا ہے فیصلہ کرنا آپ کا اپنا بنیادی حق ہے۔

نماز کی تحقیق کا باب بند کرتے ہوئے اس احقر کے ایک سابقہ مقالہ میں سے ایک عدد پیراگراف پڑھنے کی مزید زحمت گوارا فرمالیں۔ جو کراچی کے اک محترم عالم کے مروجہ نماز کے تواتر کے حق میں اور اس سے نکلنے والے شاندار نتائج کے حق میں لکھے گئے مضمون کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ واضح رہے کہ اس تحریر میں طنز و اعتراضات صحابہ کرام یا دیگر مشاہیر کے خلاف نہیں بلکہ اس جعلی تاریخ و روایات کو صحیح ماننے کے خلاف ہیں جو ہمیں ورثے میں ملے اور ہم اندھی عقیدت کے تحت اس پر تحقیق کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں چند لمحے کے لئے فرض کئے لیتے ہیں کہ نمازیں شروع ہجری سال سے ہی پڑھی جا رہی تھیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ ہماری تواریخ کی روشنی میں ان نمازوں کے ''شاندار'' نتائج شروع سے آج تک کس طرح کے رہے:۔ ''صرف لگ بھگ 35 ہجری میں ہی مدینۃ النبیؐ پر نمازیں پڑھنے والے حملہ

آور ہوئے۔ خراساں تک پہنچ جانے والی عسکری طاقت کی مالک حکومت اپنے دارالحکومت اور حکمران کا دفاع چند سو آدمیوں کے خلاف نہ کرسکی۔ حضرت عثمانؓ کا مقدس خون بہایا گیا۔ حضرت علیؓ کے خلاف نمازیں پڑھنے والوں نے جنگ جمل، جنگِ صفین اور جنگِ نہروان لڑیں اور ہزاروں لاکھوں نمازیوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا۔ قرآنوں کو نیزوں میں پروکر سروں سے اونچا کرنے کی بے حرمتی انہی نمازیوں نے کی۔ اسلامی انتہا پسندی اور دہشت گردی اسی قرونِ اولیٰ میں فتنہ خوارج کی شکل میں نمودار ہوئی۔ پھر حضرت علی کا مقدس خون بہایا گیا۔ صرف 40 ویں ہجری سال میں ہی نمازیں پڑھتے ہوئے امیر معاویہؓ کی ڈکٹیٹر شپ اور فرزند کو جانشین بنا دینے والی موروثی بادشاہت وجود میں آئی جو اموی خلافت کا روپ اختیار کر کے جبر و دہشت کی علامت بن گئی۔ نمازیں پڑھی جاتی رہیں۔ حضرات حسن و حسین کو شہید کر دیا گیا۔ محلات تعمیر ہوتے رہے۔ جاگیریں بٹتی رہیں۔ دولت کے انبار جمع ہوتے رہے۔ سینکڑوں بلکہ تین تین اور چار ہزار عورتیں حرموں میں تصرف کیلئے رکھی جانے لگیں۔ انسان گلیوں بازاروں میں غلاموں کی شکل میں بکتے رہے۔ نمازیں پڑھی جاتی رہیں۔ مخالفت کرنے والوں کی کرایہ کے علماء وفقہا سے فتوے لگوا کر کھالیں کھینچی جاتی رہیں۔ فرقے وجود میں آتے رہے اور علماء وفقہا آپس میں دست و گریباں رہے اور نمازیں پابندی سے پڑھتے رہے۔ انہی کے بارے میں غالباً مولانا روم نے فرمایا تھا کہ "دین حق را چار ملت ساختند فتنہ در دینِ نبی انداختند"۔ یہ سب کیا تھا ڈاکٹر صاحب؟ یہ نمازیں ڈاکٹر صاحب آج بھی پڑھی جارہی ہیں۔ تمام عالم عرب بد معاشی، فحاشی، عیاشی اور دین فروشی کا اڈا بن چکا ہے۔ آپ کے میرے اور دیگر شہروں میں انسانوں کے چیتھڑے اڑ رہے ہیں۔ عراق، افغانستان، کشمیر جہنم زار ہیں۔ فلسطین ایک قتل گاہ ہے۔ ایران مقتولوں کے لواحقین سے بھری ایک ماتم گاہ ہے۔ اور نمازیں پڑھی جارہی ہیں۔ تلقین بھی جاری ہے۔ پھر آپ فرمائیں گے نماز دل سے یا صحیح طریقے سے نہیں پڑھی جارہی۔ خدارا 1400 سال میں کبھی کہیں کوئی صحیح طریقہ تھا جس سے صحیح نتائج حاصل کیے گئے تو اس امت پر ترس کھاتے ہوئے نماز پڑھنے کا وہ صحیح طریقہ بتا دیجیے۔ چلئے آپ ہی اس صحیح طریقے پر نماز پڑھوا کر وہ نتائج دکھا دیجیے جو آپ اس نماز کا ردعمل ثابت کرتے ہیں اور جو آج تک تو عالم اسلام میں کہیں مشاہدے میں نہیں آتے۔ کیوں نہ اس پہلو پر غور کیا جائے کہ یہ سب کچھ کہیں اس

لئے تو نہیں ہو رہا کہ حقیقتاً صلوٰۃ کے حکم کی اصل روح ہم نے صدرِ اول ہی میں کھیں، رحلتِ رسول کے بعد کے سالوں میں، گنوادی اور غیر قرآنی ''نماز'' کو تمام تر مقصود و منتہا بنالیا۔ اور پھر اس کی پاداش میں آج تک جسدِ امت زخم زخم ہے''۔

مندرجہ بالا لرزا دینے والے تاریخی حقائق کے باوجود اندھی تقلید اور محکومی کا یہ عالم ہے کہ آج بھی صلوٰۃ کے حقیقی معانی کی بجائے اسے نماز ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو بھی نتائج نظامِ صلوٰۃ کے قیام سے پیدا ہونے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے وہ اس مرجہ نماز سے ہی پیدا کرنے پر اصرارِ مسلسل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: اِنَّ الصلوٰۃَ تنھیٰ عن الفحشاءِ والمنکر (29/45) کی روشنی میں کبھی غور و خوض نہیں کیا جاتا کہ بے حیائیاں اور بداعمالیاں کیونکہ روز افزوں ترقی پر ہیں اسلئے جو عمل نماز ہم صلوٰۃ کی غلط فہمی میں ادا کر رہے ہیں وہ واقعی ہمارا مقصود و مطلوب نہیں ورنہ یہ برائیاں آج کے دور میں (یا ماضی میں) کبھی تو معدوم ہو جاتیں۔ کسی دور میں تو مسلمان فحاشی، بداعمالی اور دین وملت فروشی سے باز آجاتا۔ فرسودہ اور مفروضہ خوش فہمیاں مسلسل پھیلائی جارہی ہیں مثلاً:۔ نماز سے نفس کی اصلاح اور جسمانی نظم وضبط کی پابندی ہوتی ہے؟ انسانوں کو برائیوں سے روکنے کیلئے جتنے بھی بریک لگانے ممکن ہیں ان میں سب سے زیادہ کارگر اور مؤثر نماز ہی ہے؟ انسان کو برے اعمال کی انجام دہی سے روکنے میں اس سے بڑا مانع اور کیا ہوگا کہ اسے دن اور رات کے دوران متعدد بار اللہ کی یاد کیلئے بلایا جائے؟ نماز کی ابتداء سے لے کر انتہا تک انسان کو مسلسل ایسے کام انجام دینے ہوتے ہیں جن کے بارے میں خود اسکے اور اللہ کے درمیان کوئی تیسرا اس بات کو جاننے والا نہیں ہوتا کہ اس نے اللہ کے قانون کی پابندی کی ہے یا اسے توڑ دیا ہے؟ قارئین یہاں تو حماقت اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ ناطقہ سر بگریباں۔۔ والا معاملہ ہے۔ میرے خدا کیا ''ابتدا اور انتہا'' ہے۔ کیسے کیسے بڑے بڑے کاموں کا ذکر ہے۔ جبکہ نماز ایک پانچ منٹ کا کھڑے ہونے بیٹھنے اور جھکنے کا انتہائی سادہ بے سود عمل ہے۔ بے سود اس لئے کہ اس میں کوئی انسانی منفعت کا عملی پہلو آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ اور نوے فیصد نمازیوں کو ہرگز اس بات کا علم تک نہیں ہوتا کہ وہ جو کلمات رٹ رہے ہیں انکا مطلب و معانی کیا ہے۔ ہاں البتہ اس ''فریضے'' کا وزن اور دورانیہ بڑھانے کیلئے ہماری مذہبی پیشوائیت کی رطب اللسانیاں ایسی ہیں کہ گھنٹہ بھر تو اکثر زور

خطابت کی نمائش میں اور مسجد میں حاضری نہ دینے والوں کو کوسنے، پھٹکارنے اور بد دعائیں دینے میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ لعنت ملامت دل سے نہیں پیٹ سے نکل رہی ہوتی ہے۔ کیونکہ مسجد میں جانے والوں کے وسیلے سے ہی حضرت صاحبان کی مرغ روٹی چلتی ہے۔ آج تک یہ حضرت صاحبان امتِ مسلمہ کو یہ فیصلہ بھی نہ کر کے دے سکے کہ اس عملِ نماز کی صحیح اور مستند حرکات کیا ہیں۔ رفع یدین کی صحیح پوزیشن، ہاتھ باندھنے کی صحیح صورت، پاؤں کے درمیان کا صحیح فاصلہ، آمین بالجہر ہو یا بالسر، تراویح کی رکعتیں آٹھ یا بیس، تمام مسئلے اختلافات اور فرقہ پروری کی زد میں ہیں اور دائمی وجہ تنازعہ۔ ہر طریق پر کاربند فرقہ دوسرے کو یہ خوشخبری سناتا رہتا ہے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔

ایک ایسی وجہ جو ہمیں نماز کی تنقید، تحقیق و تفتیش سے روکتی ہے، وہ ہے نمازوں کی بنیاد پر تعمیر کی ہوئی آخرت کے توشے کی عظیم عمارت اور ایسی وہ تمام عمارتیں بھی جو ہمارے قابلِ احترام آباؤ اجداد بھی اپنے ساتھ بطورِ سامانِ بخشش و مغفرت لے کر جا چکے ہیں۔ ہم ایسی سوچ بھی اپنے قریب پھٹکنے نہیں دے سکتے کہ وہ تمام عظیم عمارتیں دھڑام سے نیچے آ گری ہیں اور سارے آباؤ اجداد نماز کی شکل میں سعیٔ لاحاصل کرتے ہوئے گزر گئے۔ لیکن ہماری تشفی کیلئے یہ بات بھی سامنے لائی جا سکتی ہے کہ نماز کے علاوہ بھی بزرگوں نے دین کے دیگر اصولوں کی ترغیب و تبلیغ پر زور دیا ہوگا اور اپنی نیک کمائیوں میں سے انسانوں کا پیٹ بھرنے کیلئے صدقات و خیرات جاری رکھے ہوں گے۔ دکھوں، تکلیفوں اور پریشانیوں میں کچھ انسانوں کی دامے، درمے، سخنے مدد کی ہوگی۔ وہ اس کا صلہ اپنے رب سے ضرور پا جائیں گے کیونکہ بقولِ اقبالؒ

عبادت بجز خدمت خلق نیست　　　　بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

لیکن اگر اس عظیم غلط العام یعنی نماز کی تحقیق اور اس کے بطلان سے چشم پوشی کی گئی تو اقامتِ صلوٰۃ کا بنیادی خدائی فریضہ کبھی بروئے کار نہ آ سکے گا۔ اور انسان اس بربادی دوران کی تاریکیوں میں نسل در نسل جہنم کے سارے عذاب کاٹتے رہیں گے۔

مروجہ نماز سے جو واحد نتیجہ آج تک منصۂ شہود پر آیا ہے، اسے تعمیری باور کیا جائے یا تخریبی، وہ ملا نامی نسل کے ایک انبوہِ یاجوج ماجوج کی۔ پیدائش، پرورش اور عروج ہے۔ دیگر کرپٹ مافیاز کی طرح

یہ بھی ایک ''مذہبی'' مافیا ہے اور آج تشدد اور خونریزی اس کا بالا دست رہنے کا ہتھیار ہے۔ کیونکہ پاکستان میں یہ نسل اس مظلوم و مقہور قوم کے درمیان 16 لاکھ نفوس سے تجاوز کر چکی ہے، مسجدیں اور مدرسے اس کی جائے پیدائش اور نماز سے اس کی پرورش اور اقتدار کا سامان مہیا ہوتا ہے اس لئے عہدِ کہن کے پراسرار دھندلکوں سے لائے گئے نماز کے مقدس منتر کا توڑ کیا جانا اس نسل کی سرکوبی کئے بغیر تقریباً ناممکن ہے۔ اس کیلئے راسخ العقیدہ خالص قرآنی متبعین کی ایلیٹ (Elite) جماعت کا اقتدار کی کرسیوں تک پہنچ جانا ہی واحد نسخہ کیمیا ہے۔ اسلامی دنیا کے معروضی احوال میں فی الحال ایسے قرآنی انقلاب کی کوئی توقع رکھنا عبث ہوگا۔ صرف ہمارے ملک میں ہی قرآن سے راست اکتساب کرنے کی تحریک سے منسلک اب متعدد گروپ موجود ہیں جو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا ہو کر ایک بڑی طاقت بن جانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ اقتدار کی اپنی اپنی ذرا ذرا سی پاکٹس (Pockets) ہیں۔ عہدے ہیں۔ اپنے اپنے میگزینز ہیں اور زوال گزیدہ قوموں کے ٹکڑوں میں بٹ جانے والے تمام عیوب، اپنی اپنی انا، زعمِ برتری اور راست بازی پر اجارہ داری۔

لیکن اگر کسی معجزے کے تحت اس ملک میں قرآنی متبعین کی جماعت برسر اقتدار آ بھی گئی تو اسے سب سے قبل اسلام کے منبی و مرکز میں متمکن حرمین الشریفین کے متولی، عرب اشرافیہ کے مقابل آنا ہوگا۔ ان مقدس شخصیات کی نافذ کردہ آمریت کبھی قرآنی فلسفہِ حیات یا وحی الٰہی سے راست اکتساب کی اجازت نہ دے گی۔ وہ بھی مولویوں کی انگریز کی پروردہ طاقتور جماعت، آلِ الشیخ کے ساتھ بقائے باہمی کے پابند ہیں اور ان شیوخ کی رائج کردہ فقہی تعبیریں اور تقلیدِ سلفِ صالحین پر ایمان سراسر ان آمروں کے مفادات کے راستے ہموار کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ نماز عوام کو کنٹرول میں رکھنے کیلئے ان کے پاس ایک بڑے ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلکہ یہ واحد ملک ہے جہاں نماز خدا کے حکم ''لا اکراہ فی الدین'' کے خلاف جبراً پڑھوائی جاتی ہے اور اس کے لئے تمام کاروبار چند منٹ کیلئے بند کرنے پڑتے ہیں۔

سعودی لوگوں کی اکثریت اس جبر و اکراہ کو ناپسند کرتی ہے۔ دکانیں کھلی چھوڑ، گاڑیاں اسٹارٹ کرتے ہیں اور ایک 10 منٹ دورانیے کی ڈرائیونگ کا راؤنڈ لگاتے ہیں اور واپس دکانوں میں آ بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے جو مساجد میں دکھاوے یا عقیدت کیلئے چلے ہی جاتے ہیں وہ صرف پانچ منٹ

لگا کر فرض سے فارغ ہوتے ہی مساجد سے باہر نظر آتے ہیں۔ پاکستانیوں والی سنتیں اور نوافل وہاں کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔

قارئین نماز کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جس ملاّ نسل کے بارے میں سابقہ پیراگراف میں ذکر کیا گیا اس کا حال یہ ہے کہ ساری دنیا میں اسلام کا روشن چہرہ داغدار کرنے کے گناہ کا آدھا بوجھ اسی نسل کے کاندھوں پر ہے۔ آٹھ دس سال پڑھنے کے بعد ابھی یہ حضرات میٹرک کے بچے کی ذہنی سطح پر ہی ہوتے ہیں اور بمشکل اس قابل ہو پاتے ہیں کہ علم کی دہلیز کو دور سے دیکھ پائیں کہ یہ امامت یعنی انسانوں کی راہنمائی کے درجہ پر فائز ہو جاتے ہیں۔ یہ امام، مفتی، محدث، عالم اور علامہ بن جاتے ہیں۔ شعور ابھی پختہ ہوا ہی نہیں ہوتا۔ قرآن انکے نصاب میں شامل ہی نہیں ہوتا۔ دنیا کی تیز رفتار ترقی سے انہیں کوئی واسطہ یا علاقہ نہیں ہوتا بلکہ ترقی کی اصطلاح ہی ان کے نزدیک مطعون ہے۔ تقلید ان کے ہاں مستحسن و مستحب و مباح ہے۔ بلکہ اندھی تقلید، یہی ہیں وہ پورے عالم اسلام میں پھیلے یاجوج ماجوج جو اپنے جہدِ مسلسل سے اسلام و مسلمانوں کو عہدِ قدیم کی تاریکیوں میں دھکیلنے کا کارگراں انجام دینے میں ہمہ وقت منہمک ہیں۔ صرف ایک چشم کشا مثال کافی ہوگی:۔

''سعودی عرب کے شہر مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی کے صدر شیخ عبدالعزیز بن باز نے اعلان کیا کہ زمین ایک جگہ پر قائم ہے اور سورج اس کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف تصور کرے تو اس کو پھانسی پر لٹکا دینا چاہیے۔ سعودی عرب ہی کے ایک اخبار میں بن باز کا مضمون شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ چاہے کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہوگئی ہو لیکن اب بھی لوگوں کو صحیح راستے پر لایا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بنی نوع انسان خود دیکھتے ہیں کہ زمین اپنی جگہ ساکت ہے اور سورج اسکے گرد گردش کر رہا ہے۔ طلوع ہوتا ہے اور پھر غروب ہوتا ہے۔ آپ نے مزید لکھا کہ آج کے دعوے کے بموجب زمین اگر گردش کرتی ہوتی تو پھر شہر، درخت، پہاڑ، دریا اور سمندروں میں استقامت نہ ہوتی۔ اگر زمین گردش کرنے لگے تو مشرق کے شہر مغرب میں اور مغرب کے شہر مشرق میں دکھنے لگیں گے''۔ یہ ہے ملا کا واسطہ عقل و علم سے۔

قارئین اب سے لگ بھگ ساٹھ ستر سال قبل تک مسلمہ طور پر نماز کی رسومات کو خارج از

قرآن لیا جاتا تھا۔ تمام امت مسلمہ یہ بلا چون و چرا تسلیم کرتی تھی کہ نماز کے اوقات، اس کی ادائیگی کی جسمانی حرکات یعنی قیام و رکوع و سجود اور اس کے دوران پڑھی جانے والی آیات و کلمات سب کے سب کا ماخذ روایات ہیں۔ لیکن اسے دورِ جدید کی بدعت کہیں یا قرآن کے ساتھ دھاندلی، کہ ایک سے زیادہ مکاتیب فکر اب اس Ritual کی ادائیگی کے طرق و اسالیب قرآنی آیات کی منفی تاویلات کے ذریعے جتلانے کی باطل کوششوں میں مصروف ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لفظ یا اسکا ہم معنی کوئی کلمہ قرآن حکیم میں موجود ہی نہ ہو۔ اسکی تفصیلات کیسے اس کتاب میں سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ جیسے نماز کا لفظ قرآن کیلئے اجنبی ہے ویسے ہی اسکا مروجہ معنی پرستش یا Worship بھی قرآن کیلئے اجنبی ہے۔ دراصل یہ مذموم کوشش اس لئے ہے کہ ادائیگی نماز کے طویل زمانوں میں کیونکہ کسی قسم کے مثبت نتائج کا اثبات ناممکن رہا ہے اس لئے اس عمل کا کھوکھلا پن نمایاں ہو چکا تھا اور اس کا جواز اپنی بنیادیں کھو چکا تھا۔ ''تو کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مصداق قرآنی معانی کی دست برد کی طرف گستاخ ہاتھ کھول دیئے گئے۔ نتیجہ تو وہی نکلنا تھا جو فطری تھا۔ منفی تاویلات سے عقائد کو مضحکہ خیز بنا لیا گیا اور نئی فرقہ بندی کے دروازے کھول لئے گئے۔ کوئی ایک نماز اخذ کرتا ہے تو کوئی تین نمازیں۔ کوئی رکوع و سجود کی کچھ تعداد منکشف کرتا ہے تو کوئی کچھ اور اسی ضمن میں ایک گروہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جو آیت کریمہ 4/103 میں ہمارے مالک کے چنیدہ لفظ کتاباً موقوتاً کے اردو پیرایے میں معنی لیکر صلوٰۃ موقت کی اصطلاح گھڑ چکا ہے اور اس سے نماز کو اوقات سے متعین کیے جانے کی تعبیر کرتا ہے۔ یعنی استدلال یہ ہے کہ موقوتاً کہنے سے صلوٰۃ یقیناً نماز بن جانی چاہیے کیونکہ نماز ہی تو موقوت یعنی اوقات مقرر کردہ ہے۔ آیت کریمہ ہے ''ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً''۔ یہاں پھر عربی کی لغات اور قواعد کو دریا برد کر کے اپنی مسلکی تاویلات گھڑنے کا وطیرہ اپنایا گیا ہے کیونکہ لفظ موقوت عربی زبان میں ''حدود مقرر کردہ'' کو کہا گیا ہے (مفرداتِ راغب۔ لغات القرآن)۔ اس طرح مستند معنی اس آیت کا کچھ اس طرح کا سامنے آتا ہے: ''بے شک صلوٰۃ (یعنی اللہ کے احکامات کا نفاذ و اتباع کا نظام) جس کا قیام مومنین کے ذمے ہے، حدود مقرر کردہ قانون / فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ (یعنی اس میں حدود فراموشی، تجاوز یا انتہا پسندی بالکل نہیں پائی جاتی'')۔

نماز کے آخر میں پڑھی جانے والی ''التحیات'' کا صحیح ترجمہ کروا کر اگر اس پر غور و خوض کیا

جائے تو بہت کچھ انکشاف ہو سکتے ہیں۔ یہ نبی اور خدا تعالیٰ کے درمیان ہونے والا ایک فرضی مکالمہ ہے جو من گھڑت واقع معراج کے دوران عمل پذیر ہوا تصور کیا جاتا ہے اور جس کے ذریعے نبی اور خدا تعالیٰ ایک دوسرے کو سلام و تہنیت اور صالح بندوں پر بھی سلام بھیج رہے ہیں۔ اس ذاتی مکالمے کا خدا کی پرستش کے دوران رٹا لگانے کا کیا جواز و ضرورت۔ پھر درودِ ابراہیمی ہے جس کا آپ پورے قرآن حکیم میں کہیں بھی سراغ نہیں لگا سکتے۔ التحیات ہی کی طرح۔

خوشی کا مقام ہے کہ نماز کے ضمن میں اصحاب فکر کے رجحانات میں کچھ تبدیلی ضرور آتی نظر آئی ہے۔ اب ہمارے بیشتر دانشور نماز کو ''اصلِ دین اور روح عبادات'' ماننے کی سطح سے کافی ہٹ کر اسے صرف رسمی عبادت اور رسمی عبادات کو اللہ کی اطاعت کا صرف ''علامتی اظہار'' ماننے لگ گئے ہیں۔ اب یہ بات کئی مرتبہ ضبط تحریر میں آ چکی ہے کہ ''اصل عبادت'' معبود کی ''اطاعت'' ہے اور دراصل معاشرے کی فلاح و بہبود کے کام، محتاج کی حاجت روائی، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی ہی معبود کی اطاعت کا عملی اظہار ہے۔ قارئین نماز کا ادارہ اتنی گہری جڑیں رکھتا ہے کہ مطلق نماز کے عمل کے وجود کا انکار ضمیر پر ایک گناہ عظیم کا بوجھ ڈال دیتا ہے۔ لیکن آپ بھی محسوس کریں گے کہ مندرجہ بالا فکری پیشرفت بذاتِ خود تقلید سے ایک بڑے انحراف کا درجہ رکھتی ہے اور خوش آئند مستقبل کے وعدے فراہم کرتی ہے۔ یہ نیا فکری رجحان بہت مبارک ہے لیکن مذہبی پیشوائیت سے سخت ٹکراؤ کا Potential اپنے اندر رکھتا ہے کہ جس کی روزی ہی نماز کو دین کی اساس و بنیاد بنائے رکھنے پر قائم ہے۔

تحقیق صلوٰۃ

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں　　　　اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار (اقبالؒ)

قارئین اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی بار بار سامنے آجاتی ہے۔ ایک تو قرآن حکیم کی عظیم الشان اصطلاح جو قرآنی تعلیمات کی رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے۔ وسیع المعانی ہے۔ یہ وہ اصطلاح ہے جو پروردگار نے 102 مرتبہ استعمال فرمائی اور ہر موقع پر نئے ماقبل اور مابعد کے ساتھ نئے نئے مضامین کے ضمن میں لائی گئی ہے۔ جس کا احاطہ کرنے کیلئے دفاتر درکار ہیں۔ دوسرے پہلے ہی سے موجودہ تمام قابل قدر مواد جو حالیہ دور کے قرآنی مفکروں و دانشوروں نے اپنی تحقیق و جستجو کی دیدہ ریزیوں سے سپرد قلم کیا ہے اور علم و آگہی کے گراں قدر موتی لٹائے ہیں۔ ان محترم شخصیات میں، جو قرآن کا علم بلند کئے اپنی جانوں کی پرواہ کئے بغیر، دشمنوں کے گمراہ کن تراجم کی رکاوٹوں اور باطل روایتوں کے سدِ سکندری سے ٹکراتے قرآنِ عظیم کی حقیقی تعبیریں کھوجنے کی خارہ شگافی میں منہمک ہیں۔ اس احقر کے اپنے اساتذہ اور علم و فضل کے برتر معیار پر فائز سینئر رفقاء بھی شامل ہیں۔ جن کی گراں قدر کاوشوں کی موجودگی میں اب کچھ بھی لکھنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہی ہوگا۔ سو یہ کمترین اس موضوع پر ایک عام قاری کی منفعت کیلئے جو کچھ لکھ پایا وہ صرف اس کتابچے کی تکمیل کے تقاضے پورے کرنے کیلئے ہوگا اور انہی اساتذہ اور سینئر رفقاء کا فیضان اور انہی کی تحقیق سے راست اکتساب ہوگا۔ مضمون کے آخر میں مفید مطالعے کیلئے چند کتابوں کی نشاندہی کردی جائے گی جن میں لفظ صلوٰۃ کے قرآن کے خود بتائے ہوئے معانی اور قرآن کی وہ تمام آیات جن میں لفظ صلوٰۃ موجود ہے اپنی تمام تر تفصیل میں مکمل سیاق و سباق کیساتھ زیر بحث لائی گئی ہیں۔ یہ کتابیں تحقیق کا مکمل حق ادا کرتی ہیں اور موضوع کا کوئی بھی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتیں۔ موقع محل کی مناسبت سے اور تفہیم کی آسانی کی غرض سے ان میں صلوٰۃ کا نماز سے تقابل بھی کردیا گیا ہے اور ان کا مطالعہ یقیناً شرح صدر کا باعث ہو گا۔

لفظ صلوٰۃ کا مادہ ص ل و اور ص ل ی ہے اور اپنی اصل میں یہ لفظ پیچھے پیچھے چلے آنے یعنی پیروی و اتباع کا بنیادی معنی رکھتا ہے (لسان العرب، مفرداتِ راغب، محیط، تاج العروس، لغات القرآن) ایسی پیروی جس میں لزوم و وابستگی پائی جائے۔ الصّلا پشت کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں۔ کولہے کا ڈھلوان یا وہ حصہ جس پر جانور کی دم ہوتی ہے۔ ان معنوں میں یہ لزوم، وابستگی اور پیوستگی کے ساتھ پیچھے چلے آنے کا معنی ادا کرتا ہے۔ السابق اس سوار کو کہتے ہیں جو آگے آگے چلتا جائے اور المصلی وہ گھوڑا جو اس کی پیروی میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا جائے اس طرح کہ اس کی کنوتیاں اگلے کے سرین سے مل رہی ہوں۔ ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہو۔ صلوٰۃ کا معنی وہ عمل ہے جس میں پیروی، اتباع، فالو کرنا پایا جائے۔ جب الصلوٰۃ بن کر یہ لفظ قرآنی اصطلاح بن جاتا ہے تو اس کا بنیادی معانی اتباع و پیروی احکامات الٰہیہ ہو جاتا ہے۔ اقامۃ الصلوٰۃ بن کر یہ وہ عظیم الشان خدائی منشور و آئین بن جاتا ہے جس کی رو سے ایک ایسے نظام کا قیام فریضہ و نصب العین کی شکل اختیار کر جاتا ہے جس میں نفاذ و اطاعتِ احکام الٰہی پائی جائے۔

لغات کے ساتھ ساتھ جو لفظ کے مادے (Root) کے اٹل معانی کے اسلوب کی پیروی کرتی ہیں۔ فہم القرآن کا ایک اور اسلوب خود اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے۔ وہ ہے تفہیم بذریعہ تصریف آیات۔ قرآن کریم نے بعض الفاظ کو اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ اصطلاحات اسقدر جامع ہیں کہ تنہا لغت سے وہ عظیم تصورات سامنے نہیں آسکتے جنہیں قرآن نے ان الفاظ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ صلوٰۃ انہی الفاظ میں شامل ہے۔ چند دوسرے ایسے الفاظ ہیں۔ زکوٰۃ، تقویٰ، ایمان، اسلام، کفر، فسق و فجور وغیرہ۔ ان اصطلاحات کا مفہوم خود قرآنِ کریم ہی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ قرآن کا انداز یہ ہے کہ اگر ایک مقام پر ایک بات کہی گئی ہے تو دوسرے مقام پر اس کی وضاحت اس طرح سے کردیگئی ہے کہ مقام اول کی بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ اس انداز کو قرآن نے ''تصریف آیات'' سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی آیات کو مختلف مقامات پر لوٹا کر لانا اور اس طرح مطالب کی وضاحت کر دینا۔ سورۃ انعام میں فرمایا ہے۔ وَکذالکَ نُصرِفُ الآیات ولیقولو دَرَسْتَ و لِنُبینهٗ لِقوم یعلمون (6/106)

''اور اس طرح ہم آیات کو لوٹا کر پھیر پھیر کر لاتے ہیں تا کہ یہ لوگ کہیں کہ تو نے بات ذہن نشین کرادی

ہے اور تا کہ ہم اسے ان لوگوں کیلئے واضح کر دیں جو علم و بصیرت سے کام لیتے ہیں''۔ یعنی قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ قرآن میں لفظِ صلوٰۃ کس کس مقام پر آیا ہے اور کس کس رنگ میں استعمال ہوا ہے۔ ان مقامات سے اس لفظِ صلوٰۃ کا قرآنی تصور سامنے آجائیگا۔ چند آیات کریمہ سے مثالیں خدمت عالی میں پیش کر دی جائیں گی۔ وضاحتاً عرض ہے کہ کیونکہ پیروی احکام الٰہی انسان، حیوان اور مظاہر فطرت کیلئے۔ وظیفہءزندگی، فرائض منصبی، نصب العین حیات کا درجہ رکھتے ہیں اس لئے یہ بھی صلوٰۃ کے معانی ہیں اور قرآن میں اس اسلوب میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ نیز پیروی احکام الٰہی کا عمل تحسین و آفرین، تبریک و تہنیت، تائید و نصرت اور حوصلہ افزائی کا موجب و حقدار ہوتا ہے اس وجہ سے یہ بھی اس لفظ صلوٰۃ کے وسیع تر معانی میں آتے ہیں اور قرآن سے ثابت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں آگے رقم شدہ آیات قرآنی۔

ایک تیسری بات جس کا خیال رکھنا ضروری ہے وہ ہے محاورۃ العرب یعنی صحرا نشین عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا اور ان کے ہاں اس مادہ کا تصور کیا تھا۔ اور پھر سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ قرآن کریم کی پوری تعلیم کا مجموعی تصور سامنے ہونا چاہیے۔ یہ بات ذہن میں پہلے ہی واضح ہو جانا چاہیے کہ مقصدِ نزول قرآن ایک جہد مسلسل کے ذریعے'' و یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم'' (7/157) ''انسانوں کی کمروں پر سے ظلم واستحصال کا بوجھ اتارنا اور غلامی و جبر کی وہ زنجیریں توڑنا جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے'' تھا یا تمام پیغمبر علیہم السلام صرف مصلے بچھوا کر نماز پڑھانے کیلئے تشریف فرما ہوئے تھے۔

غرضیکہ لفظ صلوٰۃ کے معنی، اس کے مادے کی تحقیق، تمام مشتقات، تصریف الآیات کے قرآنی اصول کے تحت تدبر و تفہیم اور قرآن کا مجموعی پیغام و فلسفہ کسی بھی قسم کی پرستش، پوجا Worship، Prayer یعنی نماز کے معانی کا اسلوب و قرینہ کہیں بھی دور و نزدیک سے نہیں دیتے۔ بلکہ صلوٰۃ احکاماتِ الٰہی کا اتباع کرنے کا مرکزی فریضہ ہے۔ کیونکہ عامۃ الناس اس فریضہ کی ترویج نفاذ و اتباع کروانے کی طاقت نہیں رکھتی اس لئے حکم صلوٰۃ کے مخاطب دراصل اسلامی ہیئتِ اجتماعیہ یا ہیئت مقتدرہ ہے۔ کیونکہ یہی ایلیٹ (Elite) کی جماعت وہ قوتِ واہلیت رکھتی ہے جس کے بل پر یہ فریضہ نافذ اور

اسکا اتباع اجتماعی/قومی لیول پر منظم انداز میں کرایا جا سکتا ہے۔ سورۃ حج کی آیت 41 یہاں پھر ملاحظہ ہو جو ذیلی عنوان ''قیامت موجود کا حقیقی سبب'' کے تحت تحریر کی گئی ہے۔ یہی وہ صورت حال ہے جس کے تحت اقامت الصلوٰۃ کے شانہ بشانہ چلنے والا دوسرا بڑا فریضہ بھی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ''آتو الزکوٰۃ'' سامانِ پرورش ونشوونما کی تمام عوام کو بہم رسانی۔ یعنی ایک فلاحی نظامِ حکومت کا قیام۔ یہ حکم بھی حکمرانوں کیلئے ہی ہے کہ عوام کو بھوک و احتیاج اور تعلیم و تربیت کی ضروریات حکومت ہی فراہم کرسکتی ہے کیونکہ تمام وسائلِ پیداوار و آمدن پر ملکیت و کنٹرول رکھتی ہے۔ متعدد مغربی ممالک کی حکومتیں یہ فریضہ قومی سطح پر ادا کر رہی ہیں۔

اس کے برعکس زکوٰۃ کا مروجہ غیر قرآنی سال میں ڈھائی فیصد والا فلسفہ ہے جو پھر اسی آمرانہ حربے کے تحت عوام پر ہی لاگو کر دیا گیا ہے اور جو حرام مال کو پاک کرتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ کا مروجہ غیر قرآنی فلسفہ صرف حرام مال سے متعلق ہے اور یہ فریضہ ادا کرنے کیلئے پہلے ہر مسلمان کے پاس حرام مال کا ہونا ضروری ہے ورنہ یہ فریضہ ادا کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یا یوں کہیے کہ مسلمان کماتا ہی حرام مال ہے اسی لئے اڈھائی فیصد زکوٰۃ دے کر مال حلال کرنے کی سہولت مہیا کی گئی ہے۔ (نعوذ باللہ) مُلاّ کی اس وضعی تعبیر کی مضحکہ خیزی مندرجہ بالا تقابل سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ مزید برآں ملاؤں کا مقرر کردہ سونے اور چاندی کا نصاب جب زیر عمل لایا جاتا ہے تو لامحالہ غریب ہی کی جیب خالی ہوتی نظر آتی ہے اور امیر کو مزید امیر ہونے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن یہ ہمارا موضوع نہیں ہے اس لئے سکوت اختیار کیا جاتا ہے۔

اقامت الصلوٰۃ ہی کی ذیل میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بھی آتا ہے۔ معروفات (مسلمہ اقدار) قوتِ نافذہ کی مدد سے مختلف معاشرتی قوانین نافذ کر کے منوائی جاتی ہیں اور منکرات یعنی تمام اخلاقی، معاشرتی وسیاسی جرائم کو ضوابطِ دیوانی وفوجداری کے ذریعے سزائیں نافذ کر کے روکا جاتا ہے۔ تمام امور قوتِ نافذہ کے متقاضی ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہ عوام کا یا کسی مولویوں کے گروہ کا کام یا فریضہ ہے ہی نہیں۔

کیونکہ صلوٰۃ سے یا قرآن کی کسی بھی اصطلاح سے رسمی پرستش یا نماز کی فلاسفی ثابت نہیں

ہوتی، اسلیئے علم کے نام نہاد اونچے درجے پر فائز روایت پرست مقلدین اس سطح پر اتر آتے ہیں کہ عربی زبان کی تمام مستند و مسلمہ لغات و قوامیس ہی کو مسترد کرنے کی دھاندلی شروع کر دیتے ہیں۔ ان لغات کو ببانگِ دہل عجمی قرار دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ تمام تواریخ، سیر، تفاسیر اور روایات (احادیث) کے تمام مجموعے صرف اور صرف عجمی ہی مفسرین اور عجمی ائمہ حدیث ہی کی کارگزاریاں ہیں اور یہ سب کے سب انہی علماء کے نزدیک سندِ قبولیت سے بھی سرفراز ہیں بلکہ تقدس کے درجے پر فائز ہیں اور انکا انکار علماء کے ہاں تکفیر کا درجہ رکھتا ہے۔ تو آخر عجمی لغات و قوامیس ہی کا کیا قصور ہے؟ یہ دوغلا معیار اور یہ مخالفت صرف اس لئے کہ وہاں ان کے ڈھول کا پول کھلتا نظر آ جاتا ہے۔

کچھ دانشور علماء ایسے بھی ہیں کہ صلوٰۃ کے حقیقی معنی کی تنقیص و استرداد ہی کے ضمن میں یہ استدلال رکھتے ہیں کہ لغات اس لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں کہ قرآن پہلے نازل ہوا اور لغتیں بعد میں بنیں۔ قرآن کو قرآن ہی سے سمجھیں۔ دوسرے الفاظ میں اس ترجمے سے سمجھیں جو اسلاف سے متوارث چلا آتا ہے (یعنی وہی اول ماخذ تفسیر ابن عباس یعنی تفسیر کلبی)۔ یہ نہیں بتاتے کہ ایک غریب غیر عرب خدا کے حکم "تدبر فی القرآن" کی پیروی اپنی فہم و تحقیق کے ذریعے کرنا چاہے تو لغات کے علاوہ کدھر جائے۔ اندھی تقلید کے جرم کا ارتکاب کرے یا ہوا میں ٹامک ٹوئیاں مارتے زندگی گزار دے۔ شعور سے کام لینے پر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ لغات قرآن سے پہلے کیسے بن سکتی تھیں کہ قرآن تو عرب تہذیب میں نثر کی سب سے پہلی کتاب ہے جو اس زبان میں لکھی گئی۔ زمانہ نزولِ قرآن سے پہلے یہ زبان گو بہت منجھ چکی تھی لیکن اس کا تمام تر ذخیرہ اشعار کی شکل میں تھا جو نسلاً بعد نسلاً (زبانی) آگے منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔ لغات تو لا محالہ اسی مرحلہ پر بنیں گی جب اہل زبان علم و ادب (لٹریچر) اور تمدن کے ایک خاص ترقی یافتہ درجے تک پہنچ جائیں گے۔ ہر زبان اپنے ابتدائی مرحلے میں صرف عوام کی زبانوں پر ہی ہوتی ہے۔ اگلے مرحلے میں تحریری شکل اختیار کرتی ہے۔ تحریری شکل میں آنے کے بعد لٹریچر پھلتا پھولتا، فروغ پاتا ہے۔ تمدن عروج کی منزلیں طے کرتا ہے۔ پھر لغات و قوامیس کے مرتب ہونے کا زمانہ آتا ہے۔ اسی تدریجی طریق کار کے تحت پہلے کتب احادیث، سیر و تواریخ و آثار مرتب ہوئیں۔ قرآن کریم کی تفاسیر لکھی گئیں۔ عربی ادب کی کتابیں تخلیق ہوئیں۔ زبان کی صرف

ونحو کے قواعد مدون ہوئے اور پھر لغت کی کتابیں مرتب ہوئیں۔ اور یہ سب عباسی دور میں ہوا جب عجمی ہی نہیں بلکہ یونانی اور ہندی تصورات حیات بھی تمام عالمِ عرب میں روشناس ہو چکے تھے۔

دراصل مذہبی پیشوائیت کا تمام تر غیر منطقی استدلال آپ کی راہنمائی اسی خاص ذخیرۂ خرافات کی طرف کر رہا ہوتا ہے جسے یہ طبقہ عزیز از جان رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ طبقہ طبعاً قرآن مخالف ہوتا ہے۔ قرآن انکے آٹھ دس سالہ نصاب میں ہی شامل نہیں ہوتا۔ یہ طبقہ ہر قسم کی کرپشن میں بھی ملوث ہوتا ہے اسی لئے یہ اس لٹریچر کی تبلیغ و ترویج میں عمریں گذارتا ہے جس سے اسے قرآن مخالف مواد دستیاب رہے اور جس سے قرآن دشمنی اور اخلاق باختگی کی سند ملتی رہے۔ ان روایات کی اصل و بنیاد کیا ہے یہ آپ ماقبل سطور میں مطالعہ فرما ہی چکے ہیں۔ انہی روایات نے ناموس اسلام کو بربادی کے تحت الثریٰ میں دھکیل دیا ہے اور ان کو سینے سے لگا کر رکھنے کا فیضان یہ ہے کہ مسلمان اب کئی غیر مسلم حلقوں میں جنس زدہ اور اخلاق باختہ کتے کہہ کر دھتکار دیئے جاتے ہیں۔ اسی خرافات کے ذخیرے سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی سازش کا دوسرا نام تعامل و تواتر ہے۔ فرماتے ہیں لغات کو جہنم میں جھونکو، تصریف الآیات کے اصول کو دفن کرو، تدبر، تحقیق، تفہیم واجتہاد کو دریا برد کرو اور جو کچھ محمد بن اسحاقؔ، کلبیؔ، واقدیؔ، زیاد البکائیؔ، سلمۃ الابرشؔ، حمید رازیؔ وغیرہم جیسے اسلاف یا ''بزرگانِ دین'' کہہ یا لکھ گئے ہیں۔ آنکھیں بند کر کے اسکی تقلید کرو گے تو مسلمان کہلا سکو گے ورنہ فتویٰ زنی سے تمہیں کافر بنا دیں گے۔ حکیم الامت تو پھر یہ فرماتے ہوئے بڑی غلطی کر گئے کہ:۔

گر تقلید بودے شیوۂ خوب   پیمبر ہم رہِ اجداد رفتے

اور

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو   کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ

لغات کا نام سامنے آتے ہی اول فول بولنا شروع کر دینے والے دراصل یہی دست درازی کا شوق رکھنے والے نام نہاد ''علماء'' ہیں جو فی الاصل ابن اسحاق، کلبی، واقدی، زیاد البکائی اور طبری جیسے دشمنانِ اسلام کی موجودہ نسلیں ہیں اور انہی کے ایجنڈے کی تکمیل میں سرگرمِ عمل ہیں۔ آج بھی ماقبل کی مانند عالمی سامراج ان کی سرپرستی اور کفالت پر مستعد ہے۔ یہ قرآنی معنی میں ذاتی تاویلات کا شتر بے

مہار چھوڑ دینا چاہتے ہیں تا کہ اپنے اپنے دماغی امراض وخلل کا اوٹ پٹانگ اخراج کر سکیں اور اپنے باطنی مقاصد اور قرآن دشمنی کے جذبات بروئے کار لاسکیں۔ یہ سازشی عناصر اس کی پرواہ بھی نہیں کرتے کہ گرامر کے قواعد اور صرف ونحو کے اصولوں کی پابندیاں اڑا دی گئیں تو کیا عربی (زبان) زبان بھی رہ سکے گی یا چوں چوں کا مربہ بن جائے گی۔ ذرا فرض کریں کہ ہر ہما شما، مذہب کا ٹھیکیدار بنا، لغات کو نظر انداز کیے قرآنی الفاظ واصطلاحات کی اپنی اپنی تاویلات لئے پھرتا ہو، تو دین کی کیا شکل باقی رہ جائے گی۔ پہلے ہی قرآنی مطالب روایات سے لینے کے گناہ نے اسلام کی شکل مسخ کر کے ہمیں دنیا میں کس پست درجے کو پہنچا دیا ہے کہ تمام (غیر) مسلم دنیا مسلمان کے نام پر تھوکتی ہے۔ اور یہ مذہبی اجارہ دار اس پر اکتفا کرنے پر اب بھی تیار نہیں ہیں۔ یہ تمام اصول وقواعد سے مادر پدر آزادی مانگتے ہیں تا کہ اس عظیم الہامی وثیقے کی موجودہ دور میں راست تعبیریں کرنے کی کوششیں ناکام کر سکیں اور مسلماں کو دنیا سے ملیامیٹ کروا دینے کے اپنے دیرینہ مقاصد پورے کر سکیں۔

ان میں سے کچھ یہ بھی طعنہ زنی کریں گے کہ یہ (قرآن سے راست اکتساب کرنے والے) تو اسطرح کا رویہ رکھتے ہیں جیسے قرآن انہی پر نازل ہوا ہے حالانکہ اقبال کے مطابق واقعی قرآن سمجھنے کا یہی طریقہ ہے کہ:۔

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزولِ کتاب   گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

لیکن آپ کچھ بھی کہیں ان کا حال وہی ہے کہ

حلقہ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں   آہ محکومی وتقلید وزوال تحقیق

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں   ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اور تمام تر علمی مجادلوں اور مذاکروں کے بعد ہمیں اس نتیجہ پر آنا پڑتا ہے جس کا افسوسناک احوال آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں یعنی:۔

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا   کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

کیونکہ غلامی در غلامی اس قوم کی صلاحیتوں کو کھا چکی ہے اس لئے مذہبی میدانوں میں یہ مُلّا کی غلامی کے خونی جبڑوں میں پھنسے پورے نگلے جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہر جاہل وناخواندہ، ملا کے ذہنی تسلط کے

زیر اثر ہمہ وقت فتوے کی زبان باہر لٹکائے ہر سوچ وفکر رکھنے والے پر لیبل چسپاں کرتا نظر آئے گا۔

اب آیئے ان آیاتِ کریمہ کا مطالعہ کر لیتے ہیں جہاں سے ہمیں صلاۃ کی ہمہ گیر اصطلاح کے معانی اپنی تمام تر وسعت میں نظر آجاتے ہیں:۔

1۔صلوٰۃ بمعنی پیچھے پیچھے چلنا۔سورۃ القیامۃ ۔31 تقابل ضدین:

فلا صدق ولا صلّی ولٰکن کذّب وتولّی۔ ''نہ ہی تصدیق کی (سچمانا) اور نہ ہی پیروی کی (پیچھے پیچھے آیا) بلکہ تکذیب کی (جھٹلایا) اور روگردانی کی (منہ موڑ کر چلا گیا)''۔

جس طرح تقابل ضدین کے اصول کے مطابق صَدَّق کے تقابل میں کَذَّبَ استعمال کیا جو پہلے کے برعکس ہے اسی طرح صلّی کے مقابل تولّی لا کر پیچھے پیچھے چلے آنے، اتباع کے معنی کا حتمی اثبات فرمایا گیا۔

2۔صلوٰۃ بمعنی پیروی کرنا۔سورۃ الاعلیٰ ۔15:۔

وذَکَرَاسمَ رَبِّہٖ فصلّٰی ٥ اپنے رب کے حکم کو یاد رکھا اور پیروی کی

یہاں یاد رہے کہ وحی الٰہی میں جو اللہ کے احکامات ہیں وہی اس کے اسمآء یعنی اسکی صفات ہیں۔ یعنی اسکی قرآن میں بیان کردہ صفات کی اپنے کرداروں میں نمود پیدا کرنا ہی اس کے احکامات اور احکامات کی پیروی صلوٰۃ ہے۔

3۔صلوٰۃ بمعنی اطاعت کرنا۔سورۃ العلق ۔10۔پھر تقابل ضدین

اَرَءَیتَ الَّذِی یَنھیٰ ٥ عبداً اِذا صلّٰی ٥ اَرَءَیت ان کان علی الھدیٰ ٥ اَوامَرَ بالتقویٰ ٥ اَرَءَیت اِن کَذَّبَ وَتولّٰی ٥ کیا تم نے غور کیا اس شخص کی حالت پر جس نے ایک ایسے بندہ کو روکا جو احکام الٰہی کی اطاعت (پیروی) کر رہا تھا۔ خواہ وہ بندہ ہدایت پر ہی تھا اور تقویٰ کا حکم دیتا تھا۔ تم نے دیکھا کہ اس نے جھٹلایا اور واپس لوٹ گیا''۔

یہاں بھی صلّی کی ضد تولّی لا کر صحیح معانی کا اثبات فرمایا۔

4۔صلوٰۃ بمعنی وظیفہ زندگی۔النور۔41:۔

اَلَم تَرَ اَنَّ اللہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَن فی السموات والارض والطَّیرُ صٰفّٰتٍ ط کُلٌّ قد عَلِمَ صَلٰوتَہٗ وتسبیحہٗ ط واللہُ علیم بما

یفعلون o ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لئے جو کوئی بھی آسمان و زمین میں ہے تسبیح کرتا ہے اور پرند بھی صف در صف تسبیح کرتے ہیں ہر کوئی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح جانتا ہے اور اللہ کو ان کے افعال کا علم ہے''۔
غور کیجئے کہ ہر مخلوق کو اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کا علم ہے کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ ہر مخلوق مروجہ نماز پڑھتی ہے اور اس کے گلے میں تسبیح بھی لٹکی ہوئی (مگر انسانوں سے چھپی ہوئی) ہے۔ انسان سے کہا جارہا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا۔ یعنی جو ہر مخلوق کررہی ہے وہ انسان کے مشاہدے میں ہے۔ اللہ کو بھی علم ہے۔ بات صاف ہے۔ تسبیح بمعنی جدوجہد ہے۔ (مادہ۔ س ب ح) اور صلوٰۃ وظیفہ زندگی یا نصب العین حیات ہے۔ جو پرندوں کے معاملے میں بالکل ہمارے سامنے عیاں ہے۔

5۔ صلوٰۃ بمعنی فرائض منصبی (المومنون 2,9) المعارج 34.23

الذین ہم فی صلوٰتہم خشعون ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فرائض کے معاملے میں خشیت اختیار کرتے ہیں''۔
والذین ھم علیٰ صلوٰتہم یحافظون۔ ''اور یہی وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے فرائض کی ادیگی پر محافظ ہوتے ہیں''۔

الذین ھم علی صلاتہم دائمون۔ ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فرائض کی ادائیگی پر قائم رہتے ہیں''۔

الذین ھم علی صلاتہم یحافظون۔ یہ وہ لوگ ہیں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کا پورا تحفظ کرتے ہیں''۔

6۔ صلوٰۃ بمعنی تحسین و تبریک و حوصلہ افزائی۔ التوبہ۔ 103:۔

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا وصلِ علیھم ط ان صلوتک سکن لھم ط

''اے رسول آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول کریں تا کہ آپ اسکے ذریعے معاشرے کی جسمانی اور روحانی تطہیر اور تزکیہ کریں اور (ان پر نماز پڑھیں یہاں بالکل مہمل ہوگا) ان کی تحسین و حوصلہ افزائی کریں۔ بیشک آپ کی (نماز نہیں بلکہ) تحسین و حوصلہ افزائی ان کیلئے باعث تسکین ہے''۔

ایسی بہت سی آیاتِ کریمہ یہاں پیش کی جاسکتی ہیں جن کی تعبیر صلوٰۃ کے مندرجہ بالا معانی کا اپنی تمام تر وسعت کیساتھ اثبات کرتی ہے اور نماز کی بحیثیت صلوٰۃ کے معانی کے نفی کرتی ہے۔ لیکن یہ صرف اپنی تحریر کو مزید طول دینے کے مترادف ہوگا۔ یہ احقر درخواست گذار ہے کہ مندرجہ بالا تشریح کردہ معانی کو قارئین خود قرآنی آیات پر منطبق کرنے کی کوشش فرمائیں یقیناً شرح صدر کا باعث ہوگا۔ مزید

برآں، جیسے کہ ماقبل میں اظہار کیا گیا چند کتب کے نام گوش گذار کردیئے جائیں گے جن میں آیات پر تفصیلی تحقیق آپ کے سامنے آجائے گی۔

اب ڈاکٹر قمر زمان کی کتاب حقیقت صلوٰۃ سے ایک اقتباس جو یقیناً تفہیم میں مددگار ثابت ہوگا۔

"دیکھیئے اگر تو بات یہی ہوتی کہ نماز جو مسلمانوں کی ایک مسلمہ عبادت ہے احادیث اور تواتر سے ملی ہے۔اور صلوٰۃ جو قرآنِ پاک کی ایک جامع اصطلاح ہے نماز نہیں بلکہ اپنا الگ مفہوم و معنی رکھتی ہے تو بات بالکل صاف ہوتی کہ نماز اور اقامتِ صلوٰۃ دو الگ الگ عمل ہیں۔جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔لیکن ایسا نہیں ہے اس لئے کہ جب ہم قرآن کو کھولتے ہیں تو صلوٰۃ کا ترجمہ نماز اور اقامت صلوٰۃ کا ترجمہ "نماز کا قیام" بارہا ملتا ہے۔اس لئے یہ بات عجیب سی محسوس ہوتی ہے کہ ایک عمل کا حکم تو قرآن میں موجود ہو لیکن اس کی تفصیل نہ ہو جب کہ قرآن نے اپنے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ یہ ہدایات کے حوالے سے "بتیاناً لکُلِ شیئٍ"، مفصل و مکمل ہے۔

اس لئے اب صرف دو ہی نتائج سامنے آتے ہیں:۔

ا۔قرآن مفصل ہے اور اپنے مفاہیم کے لئے محتاج انسان نہیں۔

۲۔قرآن مفصل نہیں اور اپنے مفاہیم کے لئے محتاجِ انسان ہے۔

ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو قرآن کو محتاج نہیں سمجھتے دوسری بات قابلِ قبول نہیں اس لئے پہلی بات پر وہ اصرار کرتے ہیں۔لیکن جب صلوٰۃ کے حوالے سے ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ اگر قرآن مکمل ہے تو پھر قرآن میں نماز کا طریقہ دکھاؤ تو مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں۔کیونکہ نہ تو قرآن میں کسی جگہ طریقہ نماز بتایا گیا ہے اور نہ ہی اس کی جزویات کا تعین کیا گیا ہے۔یعنی کہیں قرآن میں یہ نہیں بتایا گیا کہ نماز کس طرح شروع کی جائیگی۔اس کے لئے اذان کا طریقہ اور الفاظ کیا ہوں گے اس میں کیا عمل کیئے جائیں گے یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ نماز قیام، رکوع، سجدہ اور قعود پر مشتمل ہوگی۔قیام، رکوع، سجدہ، اور قعدہ میں کن آیات کی تلاوت کی جائے گی، کس طرح اختتام پذیر ہوگی اور کتنے اوقات میں ادا کی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے سب سے پہلے تو یہ متعین کرنا ہوگا کہ صلوٰۃ کا اصل معنی و مفہوم کیا ہے تا کہ یہ معلوم کیا

جا سکے کہ صلوٰۃ سے جو کچھ بھی مراد لیا جا رہا ہے خواہ وہ نماز ہے، درس ہے، علامتی اظہار ہے یا نظام ہے، آیا کہ وہ اسکے بنیادی معنی ہیں یا ماخوذ کئے گئے مفاہیم ہیں۔ اگر بنیادی معنی ہیں تو ہم اس سے ایک رتی برابر بھی نہیں ہٹ سکتے۔ لیکن اگر تمام معنی ماخوذ ہیں تو یہ حق کسی کو نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے ماخوذ کردہ مفہوم کو دوسروں کے سر تھوپے۔ جس کسی نے بھی آیات کی تاویلات کرنا شروع کیں تو اس نے کبھی تو صلوٰۃ کو نظام سے تعبیر کیا تو کبھی دروس و اجتماعات سے اور کبھی دعا بنا کر نماز ہی قبول کر لی۔ لیکن قرآن کی کسی آیت سے نہ تو اوقات ثابت کر سکے نہ رکعات کا تعین کر سکے اور نہ سجدوں کی تعداد پر متفق ہو سکے۔۔۔

اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھوں میں ایک مضمون کا حوالہ پیش کرنا انتہائی ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ مضمون ''اقامت صلوٰۃ'' کے زیرِ عنوان رسالہ اہل حدیث کی 19 تا 25 نومبر 1997 کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

''الصلوٰۃ دین اسلام کا ایک بنیادی گوشہ ہے اور قرآن جس قسم کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اسے وہ اقامت صلوٰۃ کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرنا چاہتا ہے۔ صلوٰۃ کے معنی اپنے مادہ (ص۔ل۔و) کے اعتبار سے کسی کے پیچھے پیچھے چلتے جانا اور حرکت کرنا ہوتے ہیں۔ چنانچہ عربی کی مستند کتب لغت کی روشنی میں مفسرین نے قرآنی اصطلاح ''اقامت صلوٰۃ'' کا مفہوم قوانین الٰہیہ کے پیچھے پیچھے چلنا متعین کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ وحی خداوندی کے عطا کردہ قوانین و احکام کی پابندی کرنا اور اس کے دیئے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا رہنا اقامت صلوٰۃ کہلاتا ہے اور قرآن کے نزدیک یہ اقامت یا قیام اجتماعی نظام کے تحت ہی ہو سکتا ہے وہ نظام جس میں افراد معاشرہ اپنے اپنے مفادات کے پیچھے بھاگنے کی بجائے خدا کی کتاب قرآن حکیم کے قوانین کی پیروی کرتے ہوئے اس کے متعین کردہ نصب العین کی طرف بڑھتے جائیں۔ اسی وجہ سے اقامت صلوٰۃ کو ایک اجتماعی فریضہ قرار دیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا کہ الصلوٰۃ کا قیام جماعت مومنین کے ''تمکن فی الارض'' یعنی ان کی آزاد مملکت کے بغیر ممکن نہیں ہے جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا۔ ''الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھو عن المنکر ○ یہ وہ لوگ ہیں جب انہیں ''تمکن فی الارض'' حاصل ہو۔ یعنی ان کی اپنی مملکت قائم ہو جائے گی تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیں گے معروف احکام نافذ کریں گے اور منکر سے

روکیں گے (سورۃ الحج آیت 41) اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے لئے اپنی آزاد مملکت ہونے کی جو شرط رکھی گئی ہے۔ اس کے لئے اس سے پورا ایک نظام مراد ہے نہ کہ صرف نماز پڑھ لینا اور مروجہ اڑھائی فیصد زکوٰۃ دینا۔ ظاہر ہے کہ یہ فرائض تو ہر حکومت میں ادا کئے جا سکتے ہیں۔ سورۃ الشوریٰ میں اسلامی مملکت کی وضاحت اس طرح فرمائی۔ "والذین استجابو الربھم واقامو الصلوٰۃ و اَمرُھم شوریٰ بینھم و ممارزقنھم ینفقون" o مومنوں وہ ہیں جو خدا کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اپنے معاملات کو باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں اور جو رزق خدا نے انہیں دیا ہے اس سے انفاق کرتے ہیں (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 38)۔ یہاں اقامت صلوٰۃ کا امور مملکت کے لئے باہمی مشورے کے ساتھ ذکر آیا ہے۔ یعنی الصلوٰۃ وہ نظامِ مملکت ہے جس میں تمام امور مملکت جماعتِ مومنین کے باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔ سورۃ الاعراف میں کہا گیا۔ "والذین یمسکون بالکتب واقاموالصلوٰۃ"۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں اور اقامت صلوٰۃ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ (سورہ الاعراف۔ آیت نمبر 170)۔ اس لئے کہ اسلامی نظام کتاب اللہ کے قوانین واقدار کے عملی نفاذ کا نام ہے۔ اس مقصد کی مزید وضاحت کیلئے قرآن حکیم میں "صلّٰی" کے مقابلے میں "تولّٰی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ (75/30-31)۔ تولّٰی کے معنی ہیں صحیح راستے سے روگردانی کرنا، گریز کی راہیں نکالنا، منہ موڑنا اور صلّٰی کے معنی قوانینِ خداوندی کے مطابق صحیح راستے پر چلتے جانا۔ نظام خداوندی کے متعین کردہ فرائض منصبی کو ادا کرتے جانا اور ان فرائض منصبی کا دائرہ زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کئے ہوئے ہے"۔

اور اب قارئین صلوٰۃ کی تحقیق کے ضمن میں وہ کتابیں جن کا پڑھنا ابہام کو دور کر کے شرح صدر کا باعث ہوگا:۔

1۔ حقیقت صلوٰۃ از ڈاکٹر قمر زمان۔ سلسلہ، دعوت قرآنی۔ پوسٹ بکس نمبر 11037 لاہور

2۔ صلوٰۃ کے وہ معنی جو قرآن نے بتائے از عزیز اللہ بوھیو۔ سندھ ساگر اکیڈمی۔ پوسٹ آفس خیر محمد بوھیو ۔ وایا۔ نوشہرو فیروز۔ سندھ

3۔ صلوٰۃ اور نماز میں فرق۔ ایضاً

4۔ کیا ہماری نمازیں قرآنی صلوٰۃ ہے۔ ایضاً

اختتامی گذارشات

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے　　　　نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے (اقبالؒ)

ایک آدمی نے مروجہ رکوع وسجدہ میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ متعدد مرتبہ پڑھا بلکہ گردان کی۔ رب اور ربوبیت کے معنی اور اس صفت کے تقاضے جانے بغیر۔ یہ بھی جانے بغیر کہ ہر صفتِ الٰہی دراصل ایک قابلِ حصول و پیروی لائحہ عمل ہے اور قابلِ تعمیل وتقلید حکم کے زمرے میں آتی ہے، ایسے بے سود و بے فیض عمل کو نماز کہا جاتا ہے۔

ایک اور آدمی جس نے بے سود گردانیں یا حرکات نہیں کیں بلکہ کسی بے گھر کو گھر کا مسئلہ حل کروا دیا، بھوکے، ننگے، بیمار کا مسئلہ، کھانا، کپڑا اور ادویات دے کر اور بے علم کا مسئلہ علم دیکر حل کر دیا تو اس عمل کا نام صلوٰۃ ہے۔ اللہ نے اسی صلوٰۃ کے عمل کا حکم دیا ہے۔ نماز کا نہیں۔ یہی عمل دراصل سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کی عملی تفسیر وتعبیر ہے۔ خود فیصلہ کیجئے کہ زبانی بے سود گردان (نماز) سے ہمارے رب کی صفات کا اثبات ہوا یا صلوٰۃ کی عملی تفسیر سے ربوبیت نے محسوس ومجسم شکل اختیار کی، بروئے کار آئی اور بنی نوع انسان کی منفعت پر منتج ہوئی۔ اللہ کی ربوبیت لوگوں کی محتاجی دور کرنے اور سامانِ پرورش ونشوونما مہیا کرنے میں ہے۔ اللہ کے ناموں کو منکوں کی مالاؤں پر رٹے لگانے یا رکوع وسجود کے دوران تکرار کرنے میں نہیں۔ اللہ کے نام اس کی وہ صفات ہیں جن کی اپنے کرداروں میں نمود کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل پیرا ہو کر ان صفات سے متصف، انسانی منفعت وبھلائی کے کارِ گراں انجام دینے کا ہی نام اقامت صلوٰۃ ہے۔ اقبال کا ایک شعر معاملہ فہمی کو آسان کرتا ہے

قہاری وغفاری وقدوسی وجبروت　　　　یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

صلوٰۃ قرآن نے دی ہے اور نماز علمِ روایت کا تحفہ ہے۔ راویوں اور روایات کی حقیقت کا پردہ اسی کتاب میں چاک کیا جا چکا ہے۔ صلوٰۃ اجتماعی بلکہ عالمی انسانی منفعت رکھنے والا نصب العین ہے۔ جبکہ نماز انفرادی مفاد کا لالچ دینے والی پوجا یا پرستش کا عمل ہے۔ صلوٰۃ تمام برائیوں اور بے

ہو دگیوں سے روک لیتی ہے(29/45)۔نماز کے مسلسل عمل نے آج تک کسی برائی کو نہیں روکا۔تمام تجزیے اور تحقیقات یہ ثابت کریں گے کہ تمام قسم کی برائیاں نمازوں کی بڑے پیمانے پر ادائیگی کے باوجود روز افزوں ترقی پر ہیں۔نظامِ صلوٰۃ ملکی معیشت، معاشرت و سیاست کو سنوارنے کا لائحہ عمل رکھتا ہے۔نماز کا انسان کو درپیش مسائل حیات سے کوئی علاقہ نہیں۔ یہ تو صرف خود غرضی پر مبنی 5 منٹ کی ایک بے سود پرستش کا عمل ہے۔نماز کے عمل کی قرآن سے غلط تعبیر و توجیہ کی ایک نادر مثال یہ آیت کریمہ اور اس کی ماخوذ تفسیر ہے۔"و مِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّد بہ نافِلَۃَ لکَ(17/79) ترجمہ:اے نبی رات کے کچھ حصے میں اس قرآن کے ساتھ غور و خوض کرنے کیلئے بیٹھ۔یہ صرف تیرے لئے اضافی ڈیوٹی ہے۔ ہمارے "اسلاف" کی فنکاری ملاحظہ ہو کہ یہاں بھی نماز ماخوذ کر لی اور "نماز تہجد" اور "نفل نمازوں" جیسی من گھڑت اصطلاحات کا یہیں سے جواز پیش کیا جاتا ہے۔نبی کریم کی اضافی ڈیوٹی بحیثیت حکمران و راہنماو مصلح قوم کے پہلے نماز بنا ڈالی پھر پوری امت کے سر تھوپ دی اور اس ڈیوٹی کے فضائل بیان کرنے میں روایات کے پلندے گھڑ ڈالے۔سنت تو یہ کام خود بخود بن ہی گیا۔"فمن رغب عَن سُنَّتی فَلَیسَ مِنّی" کی دھمکی بھی گھڑ لی گئی۔غور کیجئے کہ کیا واقعی یہاں سے کسی بھی نماز کا مفہوم، اسلوب یا قرینہ نکلتا ہے؟؟؟

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا انبیاء کی بعثت اور مشن (اقامۃ الصلوٰۃ) کا مقصد ہی یہ تھا کہ ایسا نظام حکومت قائم ہو کہ محنت کشوں کا کوئی بالادست استحصال نہ کر سکے اور ان کو پوری پوری اجرت و معاوضہ مل جائے۔ بلکہ اللہ کا فرمان تو یہ ہے کہ یہ کائنات بنائی ہی اس لئے ہے کہ ہر ایک کو اپنے کسب کا پورا پورا معاوضہ ملے اور ظلم نہ ہو:"وخلق اللہ السمٰوٰتِ والارض بالحق ولتجزٰی کُلُّ نفسٍ بما کسبت وھم لایظلمون (45/22)

صلوٰۃ کا وقت شفٹوں میں تقسیم کرتے ہوئے مکمل دن رات 24 گھنٹے ہے۔یہ اس لئے کہ صلوٰۃ کے مفہوم میں پوری مملکت کے عوام کے مسائل حل کرنے ہوتے ہیں۔غور فرمایئے قرآن کی شہادت "اَقِمِ الصلوٰۃ لدلوکِ الشمس الی غَسَقِ الیل وقرآن الفجر"(17/78) اور "اَقِمِ الصلوٰۃ طرفی النھار و زلفاً من الیل"(11/114)، جبکہ مروجہ پانچوں نمازوں کا کل وقت آدھا گھنٹہ کے لگ بھگ بنتا ہے وہ

بھی اپنے ذاتی مفاد کیلئے۔

اب آتے ہیں آج کے دور کے اصحاب فکر وقلم کے اظہاریوں کی طرف۔ ہمارے اس زوال اور قیامتِ موجود کی مختلف تعبیریں کی جارہی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہمارا نظری بحران جس نے ہمارے اجتماعی سفر کا رخ بدل کر رکھ دیا ہے۔ بنیادی طور پر فکری ہے۔ فقہی نہیں۔ کہ یہ صدیوں کا تاریخی انحراف ہے۔ جس کی بے لاگ نشاندہی کی جانی چاہیے۔ کہ مروجہ اسلام جو فقہا کے دواوین، متصوفین کے ملفوظات، مفسرین کی لاطائل تعبیرات اور محدثین کی ثقہ وغیر ثقہ معلومات کے ذریعے تشکیل پایا ہے اس نے آفاقی پیغمبرانہ پیغام کا قالب بڑی حد تک بدل کر رکھ دیا ہے۔ کہ دانشِ یونانی کے اثرات نے مسلم فکر میں ہلچل کی کیفیت پیدا کردی تھی۔ مرجیہ، قدریہ، جبریہ، معتزلہ اور ان جیسے بے شمار فرقوں نے عقائد کے سلسلے میں دقیق و پیچیدہ بحثوں کا سلسلہ جاری کیا اس کے اثرات۔ حتیٰ کہ قرآن جیسے بنیادی وثیقے کے سلسلے میں یہ بات معرضِ بحث تھی آیا وہ مخلوق ہے یا قدیم۔ کہ وحی کی ماہیت کے سلسلے میں بحثوں نے وحی ربانی کی مرکزی اور نا قابلِ چیلنج حیثیت متزلزل کردی تھی۔ معتزلہ کے پیدا کردہ فکری بحران کے مقابلے کیلئے ابوالحسن اشعری کی کاوشیں۔ شافعی اور حنفی اصولوں کا تصادم۔ اجتہاد کا مروجہ تصور۔ اس میں تبدیلی کی ضرورت۔ بنیادی فکری شاکلے پر ضرب لگانے کی ضرورت وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ مثبت نظریہ کہ خدا اور رسول کی اطاعت انفرادی طور پر نہیں صرف ایک مرکزِ ملت کی اطاعت سے ہی ہوسکتی ہے۔

آج کے محترم دانشورانِ ملت کے ان فکری تجزیوں کے نتائج سے انکار ممکن نہیں۔ لیکن امتِ مسلمہ کا بگاڑ اور استہلاک اتنے گہرے فلسفیانہ پہلو نہیں رکھتا۔ مندرجہ بالا افکار اپنی بنیاد جزئیات پر رکھ رہے ہیں اور مسئلے کی جڑ بنیاد تک پہنچنے کے عمل کو مشکل بنا کر پیش کررہے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ افکار ولٹریچر وتحریکات حاکم اشرافیہ کی زیر سرپرستی پھلتے پھولتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ سابقہ 1400 سال کے جبر کے دور میں وہی فکری رجحانات پروان چڑھائے گئے جن سے وحی ربانی کی ضیاء پاشیاں باطل فلسفوں کے اندھیروں میں گم ہوسکتی تھیں۔ ایسے اجتہادات اور ایسے فکری شاکلے خود پیدا کروائے گئے جن سے گمراہیاں فروغ پاتیں۔ تنزیہہ ذات اور نفی صفات کا معتزلی فلسفیانہ غلو، شاہی سرپرستی سے محروم نہ تھا۔ بلکہ خلق قرآن کے مسئلے پر یکے بعد دیگرے تین عباسی خلفا نے بذاتِ خود دلچسپی لیکر مسلمانوں کو

فرقوں میں تقسیم کیا اور اس کی آڑ میں فتوے لگوا کر اپنے سیاسی مخالفین کے سر قلم کروائے۔ حالانکہ یہ مسئلہ صرف اور صرف قرآن سے تحکیم نہ کروانے، بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ یا پھر قرآنی مفاہیم اور تعبیروں کو غلط راہ پر لگانے کیلئے پیدا کروایا گیا تھا۔ معتزلہ نے قرآنی محکمات کو نظر انداز کر کے نہ صرف متشابہات کو اپنے مباحث کا موضوع بنایا، اور اللہ کی ذات، صفات، جنت و دوزخ، وحی کی ماہیت اور میزانِ عمل وغیرہ پر زور دیا، بلکہ ایمانیات کا اپنا علیحدہ عقیدہ جمہور امت کے عقیدے کے علی الرغم پیدا کیا۔ یعنی توحید، عدل، وعدہ وعید، بین بین اور امر بالمعروف۔ اس کھلے انحراف کے باوجود مامون، معتصم اور واثق ان کی سرپرستی کرتے رہے تو کس پالیسی کے تحت؟ وہی قدیمی آمرانہ خصلت یعنی پھوٹ ڈلواؤ اور حکومت کرتے رہو۔ فراعینِ مصر کی بھی ایسی ہی پالیسیوں کی طرف حضرت موسیٰؑ کے مشن کے ضمن میں قرآن نے واضح اشارے دیئے ہیں۔ متوکل نے اشاعرہ کی سرپرستی اسی آمرانہ پالیسی کے تحت کرنی شروع کی کہ معتزلہ کیونکہ اب ضرورت سے زیادہ طاقت حاصل کر گئے ہیں اس لئے ان کے خلاف قتل وغارت گری کا طوفان پھیلا دیا جائے۔ شافعی اور حنفی اصولوں کا تصادم وغیرہ صرف عوام میں پھوٹ اور پارٹی بازی کو بڑھاوا دینے کیلئے کروایا جاتا رہا۔ غریب عوام کو اس فرقہ پرستانہ فساد میں ہرگز یہ ہوش نہ رہنے دی گئی کہ ان کے حقوق و وسائل شاہی خاندان اور طفیلی لوٹ رہے ہیں۔ بہر حال اسلامی فلسفے کے زوال کے اسباب کی یہ واقعات صرف جزئیات تھیں۔ ان اسباب کی اصل جڑ بنیاد وہی آمریت کی گرفت تھی۔ جبر و استبداد کا نظام تھا۔ قریشی عرب اشرافیہ کی مطلق العنان، استحصالی، غیر قرآنی حکومت تھی جو وحیِ ربانی سے راست اکتساب کا خطرہ مول نہ لے سکتی تھی۔ اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ ادا نہ کرسکتی تھی۔ آتو الزکوٰۃ کے حکم کی اطاعت سے دولت کو حاجت مندوں میں بانٹ کر اپنے افسانوی عیش وعشرت سے محروم نہ ہوسکتی تھی۔ یہ اپنے تختِ حکومت یعنی مرکزِ ملت سے خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کرواسکتے تھے کیونکہ انہیں پہلے خود کو اس اطاعت کا پیکر و نمونہ بنانا پڑتا جو ان کیلئے ناممکن تھا۔ اسلام کے حقیقی مجرم کے عنوان کے تحت یہ افسوس ناک تفصیلات اسبابِ زوالِ امت کے ضمن میں گوش گزار کر دی گئی ہیں۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ دراصل ہمارے تمام حکمران، بنو امیہ سے لیکر عثمانی خلیفہ عبدالحمید ثانی تک

اور ہند وایران کے سلاطین اور شاہانِ مغلیہ سب صرف نام کے مسلمان تھے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب صرف ڈکٹیٹرز تھے۔ ڈکٹیٹرز کا کوئی مذہب، کوئی دین ہوتا ہی نہیں۔ ان کا ایک ہی نصب العین ہوتا ہے یعنی ان کے اقتدار کا دوام۔ وحیِ ربانی کو باطل کرنے یا مٹا ڈالنے کیلئے ان آمروں کے پاس ہر دور میں بے شمار مہرے تھے۔ خواہ وہ مسلح افواج کے لشکرِ جرار ہوں، ایرانی / مجوسی تھنک ٹینکس ہوں۔ وہ پانچوں فقہی امام ہوں یا چھ کے چھ آئمہ محدثین ہوں۔ قدری، مرجئ، جبری، معتزلی ہوں یا اشاعرہ ہوں۔ رازی، زمخشری یا غزالی ہوں یا تصوف کے سلسلوں کے ولی، غوث، قطب اور ابدال ہوں۔

جب حکمران بے کردار، بے ضمیر، لوٹ کھسوٹ اور ظلم کے خوگر ہوں گے تو عوام کے کردار کبھی بھی انہی صفات کے برعکس نہیں کیے جاسکیں گے۔ کیونکہ "الناس علی دین ملوکہم"۔ جب قوم کو تعلیم سے مزین کرنا حکمرانوں کے استحصالی مفادات کے خلاف ہوگا تو قومیں کبھی جہالت کے اندھیروں سے نکل نہیں سکیں گی۔ ان کے محکمہ ہائے تعلیمات کرپٹ ترین محکموں میں شمار اس لئے کیے جائیں گے کہ ان کو دراصل قوم کو علم سے بیگانہ رکھنے کے ہتھکنڈے استعمال کرنے کے احکام دیئے جائیں گے نہ کہ فروغِ علم کے۔ جب حکمران خود ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹنگ سے فالتو روپیہ کماتے رہیں گے تو عوام کو سستی ضروریاتِ زندگی کیسے مل سکیں گی۔ انہیں تو نماز، روزے کے ذریعے فاقہ کشی پر قناعت اور توکل بر خدا کی تلقین، بذریعہ مذہبی پیشوائیت کی جاتی رہے گی۔ فکری تحریکیں جہالت کے اندھیروں میں پروان نہیں چڑھتیں۔ یا وہ کبھی ایک مؤثر اکثریت حاصل نہیں کر سکتیں۔ بلند اقدار و آدرش بھوکے پیٹوں کو اپیل نہیں کرتے۔ قحط الرجال میں باکردار انقلابی لیڈر عنقا ہو جاتے ہیں۔ اور لیڈروں کے بغیر کسی انقلاب کی کشتی پار نہیں اترتی۔ صدیوں سے بھیک، صدقات اور خیرات پر پلنے والے نیم جاہل کبھی قوموں کے لیڈر یا جرنیل نہیں بن سکتے۔ مظلوم جب تک اپنے حقوق کیلئے خود نہ اٹھ کھڑا ہو ظلم کبھی ختم نہیں ہوتا۔ آسمان سے نجات دہندوں کا نزول کبھی کا بند ہو چکا ہے۔ بند کمروں میں درس و تفہیم قرآنی کسی بھی انقلاب کا پیش خیمہ نہیں بن سکتے۔ تقاضائے عصر سیاسی جدوجہد بھی لازمی قرار دیتا ہے۔

اپنے جن خوابوں میں یہ احقر آپ کو بھی شامل کرنا چاہیگا وہ کچھ اس طرح ہیں:۔

☆ ایک عدد بے لوث قرآنی اشرافیہ کی مضبوط سیاسی جماعت۔

☆ محروم عوام کی روزمرہ کی مشکلات ومسائل قرآنی احکامات کی راست تعبیر کے مطابق فوری حل کرنے کا منشور (آتو الزکوٰۃ)۔

☆ کسی ایک علاقے یا دائرہ عمل میں یہ قرآنی منشور روبہ عمل لاکر ایک رول ماڈل کی نمود وتشہیر۔

☆ ایک موثر پروپیگنڈا مشینری (میگزینز، اخبارات، ٹی وی چینلز، الیکٹرونک میڈیا، لابیز وغیرہ)۔

☆ اقتدار کے بالادست ایوانوں میں پہنچنے کیلئے انتہائی سائنٹیفک، کلکولیٹڈ، سٹیٹ آف دی آرٹ (State of the Art) جدوجہد۔

☆ انجام کار، نوّے قسم کی ٹوپیوں اور داڑھیوں کی جھاڑ جھنکاڑ کی آلودگی سے منزّہ، ایک صفاتِ باری سے پُر حکومتِ الٰہیہ کا قیام، دورِ جدید کے تقاضوں ایک وسیع البنیاد ڈاٹا بیس (Data Base) کی مدد اور ڈیجیٹل (Digital) تعامل کے ساتھ۔

اور پھر:۔

کس درایں جا سائل ومحروم نیست | عبد و مولا حاکم ومحکوم نیست

اصحاب علم وفکر کیلئے ارتکازِ توجہ وجدوجہد کا نکتہ اس ناچیز کے خیال میں صرف یہ ہونا چاہیے کہ 1400 سالہ سلب ونہب کے بعد بالآخر آج اقتدار کی مسانِد پر راسخ العقیدہ باکردار قرآنی عقائد کے حامل انسانوں کو کس طرح پہنچایا جائے۔ اس سے قبل وحیِ ربانی سے راست اکتساب پر یقین رکھنے والی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو باہم اتحاد کی لڑی میں پرونے کی موثر کوشش کیسے کی جائے کہ ان کی متحدہ آواز اپنی بازگشت سنانے کے قابل ہو سکے۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا خداتعالیٰ کا عطا کردہ نظام جو تمام عالم انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہے، اقتدار کی مسانِد حاصل کیے بغیر نافذ کرنا ناممکن ہے اور اقتدار اتحاد کے بغیر ناممکن۔ تو پھر آیئے غیر انسانی اقتدار کے طویل تسلط کے خلاف قرآنی اقدار کی قوت کے ذریعے انتہائی حکیمانہ جدوجہد کا آغاز کریں۔ کیونکہ:۔

تا تہ وبالا نہ گردد ایں نظام | دانش وتہذیب ودیں سودائے خام